﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْأٰخِرِ﴾

”اگر تمہارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو“

القرآن

مسئلۂ تقلید | **فاتحۃ خلف الامام**

طلاقِ ثلاثہ | **نمازِ تراویح**

کے متعلق

اہلحدیث اور علماءِ حرمین کا اتفاقِ رائے

بجواب

غیر مقلدین کا سعودی عرب کے ائمہ ومشائخ کے مسلک سے شدید اختلاف

تالیف

حافظ محمد اسحٰق زاہد، کویت

نام کتاب : اہلحدیث اور علماءِ حرمین کا اتفاقِ رائے

مؤلف : حافظ محمد اسحٰق زاہد، کویت

طبع اوّل : ستمبر ۲۰۰۰ء ، پریس ...... شرکت پرنٹنگ پریس

آرٹ/کمپوزنگ حافظ حسن مدنی

قیمت : ۴۵ روپے

ملنے کے پتے:
- ☆ نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اُردو بازار 7321865
- ☆ فاروقی کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
- ☆ مکتبہ دار السلام، ۵۰ لوئر مال، لاہور فون: 7232400
- ☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور
- ☆ ماہنامہ محدث لاہور: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کویت میں ملنے کا پتہ

لجنة القارة الهندية ، الروضة ...... تلفون: ٢٥٣١٢١٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس سلفی، جامعہ سلفیہ، بنارس

حامداً و مصلیا: برصغیر میں جب سے دعوتِ عمل بالکتاب والسنۃ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی ہے اسی وقت سے ایوان تقلید کے دونوں بازوؤں نے انفرادی واجتماعی طور پر اس کا گلا دبانے کی زبردست کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کے خلاف کتابیں لکھی گئیں، ان پر کفر کے فتوے صادر کیے گئے، ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ مساجد سے نکالا گیا، ہر ممکن طریقے سے ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا، لیکن ارشادِ ربانی ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾ (الصف :۸) کے بموجب یہ دعوت ترقی کے مراحل طے کرتی رہی، دعوت سے وابستہ مردانِ مجاہد کے پایۂ ثبات میں کسی قسم کی لغزش نہیں آئی، مخالفین کے تمام ہتھکنڈوں اور سازشوں کا جم کر مقابلہ کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی مخلصانہ کوششیں بار آور ثابت ہوئیں، چنانچہ توحید کی ضیاء پاش کرنوں سے کفر وضلالت کے ظلمت کدے منور ہوگئے، شرک وبدعات، مشرکانہ رسم ورواج اور ملحدانہ طلسماتی افکار ونظریات کا تعفن زدہ ماحول **قال اللہ** اور **قال الرسول** کی عطر بیز خوشبوؤں سے معطر ہوگیا، دعوت عمل بالکتاب والسنہ کی صدائے حق سے زنگ آلود تقلیدی اذہان وقلوب صیقل ہوگئے، فکری جمود ٹوٹا اور ذہنی تعطل ختم ہوا، اور یہی چیز ایوان تقلید کے لیے سوہان روح ثابت ہوئی، اور ان کو اپنے خرمن مین آگ لگتی محسوس ہوئی تو انہوں نے اس کے سدِ باب کے لیے ہر ممکن جائز و ناجائز طریقہ اپنایا، جھوٹے الزامات عائد کیے، تہمتیں لگائیں، غلط باتیں منسوب کرکے عوام کو بدظن کرنے کی کوشش کی ، بعد کی پیداوار بتلا کر دینِ اسلام میں اس کو ایک نیا فرقہ قرار دیا، محدث عبدالحق بنارسی رحمہ اللہ کو بانی بتلا کر اس کو علامہ شوکانی رحمہ اللہ سے جوڑنے کی کوشش کی، ایک صاحب نے جذبۂ مخالفت سے سرشار ہوکر اس کی جدت وحداثت کو ثابت کرتے ہوئے اسے ڈیڑھ سو صدی پرانی جماعت لکھ دیا ہے۔[1] جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ جماعت رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے بھی قدیم ہے، جوش میں ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے، واضح ہونا چاہیئے کہ یہ تحریک برصغیر میں کوئی نئی تحریک نہیں ہے، کیونکہ اس کی تاریخ اس ملک میں اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم اس ملک میں اسلام ہے، اور اس تحریک سے وابستگان ہر زمانے اور ہر دور میں رہے ہیں۔[2] یہ الگ ہے کہ کوئی آنکھوں میں دھول جھونک کر حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرے۔

الزامات اور تہمتوں کا لامتناہی سلسلہ آج تک جاری وساری ہے، انگریزی استعمار کی پیداوار بتلا کر اسے جماعت اہلحدیث کا خالق قرار دینے[3] اور انگریزوں کی ٹانگوں کے بیچ پناہ لینے جیسی اُوچھی اور لچر باتیں کہیں گئیں۔[4] جبکہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ انگریز سامراجیت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں یہی جماعت پیش پیش رہی ہے اور غیر جانبدار تحریریں تحریک آزادی میں ان کی عظیم قربانیوں کے لیے واضح ثبوت ہیں، بلکہ خود ان کی کتابیں جن میں تاریخی حقائق پیش کرنے کی بجائے تاریخ سازی سے زیادہ کام لیا گیا ہے اور ہر بڑی کامیابی کا سہرا علماء دیوبند کے سر زبردستی باندھنے کی کوشش کی گئی ہے، ایسے ثبوت فراہم کرتی ہیں جن سے جنگ آزادی میں جماعت اہلحدیث کے اہم کردار کا پتہ چلتا ہے۔[5] درحقیقت اس نوعیت کے الزامات عائد کرکے بیک وقت کئی مقاصد کا حصول مطلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ سرفروش بندے اپنی قربانیاں پیش کرکے دنیا والوں سے کسی اجر واحسان کے طالب نہیں تھے بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے خواہاں تھے، اور ان شاء اللہ انہیں یہ حاصل ہوکر رہے گی۔ الزامات اور تہمتوں کا سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے

---

(۱) ملاحظہ ہو: ''غیر مقلدین کی حقیقت'' مؤلفہ سعید الحق قاسمی کا پیش لفظ از قلم احمد اللہ قاسمی (ص ۱۲)

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''جمهود مخلصه فى خدمة السنة المطهرة'' مؤلفہ: الفریوائی، اور کتاب ''کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیا کی مرہونِ منت ہے'' مولفہ: غازی عزیر

(۳) ملاحظہ ہو: ''وقفة مع اللامذهبية'' (ص ۱۳، مقدمہ)

(۴) بعض مقررین حضرات کا کہا ہوا یہ جملہ ہے، اس سے بھی بدترین باتیں وہ اپنی تقریروں میں کہہ جاتے ہیں۔ واللہ حسیبهم

(۵) ملاحظہ ہو: حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی تالیف کردہ کتاب ''تحریک جہاد: اہلحدیث اور احناف'' جس میں موصوف نے آغا شورش کاشمیری، سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد اور سعید احمد اکبر آبادی جیسے مؤرخین کی شہادتیں جمع کردی ہیں۔

جاری رکھتے ہوئے ان میں جدت وابداع (انوکھے پن) کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ نئی نئی باتیں اور نئے نئے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں، اور عربی کے مقولہ "**الغاية تبرر الوسيلة**" کے تحت جائز وناجائز حرکتوں کو روا رکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنے اکابرین کو بھی منہ چڑھانے اور ان کی تکذیب سے دریغ نہیں کیا جاتا، جبکہ ان کے یہاں اکابرین کا اتنا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے اندر مبینہ زیادتی پر بھی خاموشی اختیار کرلی جاتی ہے، بلکہ اسے شاذ قرأت یا منسوخ آیت کا اندیشہ ظاہر کرکے باقی رکھا جاتا ہے، اور جب ہر چار جانب سے تھوتھو ہوتی ہے تو اس پر انسانی فروگذاشت کا ایک نہایت مختصر نوٹ لگانے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ان کی واضح ترین فروگذاشتوں کی نشاندہی کو باعثِ عذاب گردانا جاتا ہے اور نشاندہی کرنے والوں کو دنیا کے اندر ہی عذابِ الیم کی بشارت سنائی جاتی ہے، اس کے باوجود عمل بالحدیث کی دعوت اور سلفی تحریک کی دشمنی اور مخالفت میں ہر ہتھکنڈہ اور وسیلہ کے استعمال کو روا رکھتے ہوئے بلکہ اسے باعثِ تقرب الی اللہ سمجھتے ہوئے اپنے اکابرین کی تکذیب سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ اگلی سطور میں جب اس کے واضح نمونے پیش کئے جائیں گے تو حقیقت عیاں ہوکر سامنے آجائے گی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ برصغیر ہند میں دعوتِ عمل بالکتاب والسنہ کی تاریخ جس کو دوسرے واضح لفظوں میں "سلفی دعوت" بھی کہا جاتا ہے قدیم ہے، البتہ اس کی نشأۃ ثانیہ اس وقت ہوئی جب اندھی تقلید کی بناء پر کتاب وسنت اور ان کے علوم کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں نے فقہ واصول فقہ کی چند روایتی کتابوں میں اپنے آپ کو محصور کرلیا تھا، پورے ماحول پر فکری جمود وذہنی تعطل کی اتنی تاریک بدلیاں چھائی ہوئی تھیں کہ قرآن مجید کے ہندوستانی زبان میں ترجمے کو بھی حرام سمجھا جاتا تھا، کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ کو محال تصور کیا جانے لگا تھا، فکری الحاد وبے دینی عام ہوچکی تھی، اس پُرآشوب وپُرفتن دور میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور محدث عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی جانب سے عمل بالکتاب والسنہ کی بازگشت سنائی دیتی ہے جس میں محدث شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے روح پھونکی تو ایک مستقل آواز بن کر سنائی دی، اور یہ ایسا نازک دور تھا کہ ان لوگوں سے اس نازک دور میں اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی، پھر خانوادۂ ولی اللہ کے ذریعہ بتدریج تجدیدی واصلاحی تحریک کی شکل میں ظاہر ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم کے بعد علماء ربانیین کی پیہم کوششوں اور مسلسل جدوجہد سے مختصر عرصہ میں ایک مضبوط، پائیدار اور ہمہ گیر تحریک کی شکل میں نمودار ہوئی، اس طرح یہ تحریک کسی ایک شخص کی انفرادی کوششوں کا ثمرہ نہیں ہے، بلکہ مختلف زمانے کے متعدد علماء کی کوششوں اور جدوجہد کا ایک حسین امتداد ہے، اسی طرح اس تحریک کو ایک طرح کا استقلال حاصل ہے، کسی دوسری تحریک سے متأثر ہو کر یہ معرض وجود میں نہیں آئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ عالم اسلام کی دیگر تجدیدی واصلاحی سلفی تحریکوں سے ہم آہنگ اور موافق ضرور ہے، کیونکہ اس کا اور دیگر سلفی تحریکوں کا مأخذ او رمنبع کتاب وسنت ہیں اس لیے ان کے مابین توافق اور ہم آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے۔

حسنِ اتفاق سے جس زمانے میں عمل بالکتاب والسنہ کی دعوت کو برصغیر ہند میں فروغ حاصل ہو رہا تھا اسی کے آس پاس جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تجدیدی واصلاحی تحریک بھی کام کر رہی تھی، چونکہ دونوں تحریکوں میں بڑی حد تک توافق اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی کیونکہ دونوں کا مصدر ایک ہی تھا اور مغربی ذرائع ابلاغ نے اپنے غرض مندانہ سیاسی مفادات کے تحت اور حجاز کے تحریک دشمن عناصر نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، ان کی دعوت اور ان کے متبعین کے خلاف بڑے پیمانہ پر پروپیگنڈہ مہم چھیڑ رکھی تھی، جس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو آپ سے، آپ کی تحریک سے اور آپ کے متبعین سے متنفر اور بدظن کر رکھا تھا، آپ کی تحریک کو "تحریک وہابی" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا جو ایک مہذب گالی کی شکل اختیار کرگیا تھا، اور اس وقت متحدہ ہندوستان پر انگریزوں نے اپنا تسلط جما رکھا تھا، اسی زمانے میں انگریزی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کی تحریک بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی جسے انگریز ہر ممکن طریقے سے کچل دینا چاہتے تھے، انہیں وہابی تحریک سے زبردست پرخاش تھی، وہابیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے ان کی نظر میں وہابیوں کے ساتھ کسی قسم کی رُو رعایت اپنے اقتدار کے پیر میں کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا، اس لئے ہندوستان میں بھی اگر انہیں کسی کے بارے میں وہابی ہونے کا شبہ ہوجاتا تو اسے تختہ دار پر کھینچ لاتے، جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا، کالا پانی کی جانب انہیں جلا وطن کردیا جاتا، ان پر مقدمے چلائے جاتے، کھالیں کھینچ لی جاتی تھیں۔ غرضیکہ ان کو محض وہابیت کے شبہ پر ہی سخت سزائیں دی جاتی تھیں، کرم فرما حضرات نے اس سنہری موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، چنانچہ برصغیر میں سلفی دعوت سے وابستہ عام لوگوں کے بارے میں مخبری کی گئی، اور انہیں وہابی قرار دے کر گرفتار

کروایا گیا، اور اس تحریک کا ڈانڈا بھی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے جوڑ دیا گیا، اس طریقے سے انہوں نے اہلحدیثوں کے خلاف ایسا ہتھیار استعمال کیا جس کا واران کے حق میں دوطرفہ ثابت ہوا، ایک طرف حکومت کی نظر میں مجرم قرار پائے، دوسری طرف عوام کی نظر میں مبغوض ہوئے، یہی نہیں کہ محض زبانی طور پر انہیں وہابی قرار دینے پر اکتفا کیا گیا بلکہ اسے کتابوں کی زینت بنا کر پائیداری عطا کرنے کی کوشش کی گئی کہ آنے والی نسلیں بھی اس کو یاد رکھیں۔ چنانچہ مولانا محمد مطیع الحق دیوبندی اپنی کتاب ''وہابی کون ہے؟'' میں ''عقائد وہابیہ نجدیہ'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''چنانچہ غیر مقلدینِ ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں، عرب کے وہابی اگرچہ حنبلی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن مسائل میں ان کا عمل حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہرگز نہیں، بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق جس مسئلہ کو حدیث کے خلاف پائیں گے فوراً چھوڑ دیں گے[٦] اور ہندوستان کے غیر مقلدوں کی طرح وہ بھی اکابر امت کی شان میں گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہیں''[٧]

واضح ہو کہ مذکورہ کتاب معروف زمانہ کتاب ''الشہاب الثاقب'' مؤلفہ مولانا حسین احمد مدنی کی تلخیص و ترجمہ ہے جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں ناشر کے قلم سے مذکور ہے، لکھتے ہیں: ''اس رسالہ کا متن ''شہاب ثاقب'' ہے جو حضرت الحاج الحافظ المولانا (؟) سید حسین احمد مدنی صدر مدرس دارالعلوم کی تالیف منیف ہے۔''

اس کتاب کے تعلق سے یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس کی تالیف بظاہر بریلویت کے بانی مولانا احمد رضا خان کی تردید وابطال کے لیے عمل میں لائی گئی ہے، اور اس کا مکمل نام **''الشهاب الثاقب على المسترق الكاذب''** ہے، لیکن آپ اس کتاب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی دعوت حقہ کی تردید، اسی طرح برصغیر کی جماعت اہلحدیث کا ابطال زیادہ پائیں گے، سلفی عقائد سے براءت کا اظہار کیا گیا اور مبتدعانہ ومشرکانہ عقائد کو اختیار اور ان کا دفاع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بھی مذکورہ کلام بایں الفاظ موجود ہے: ''

(٦) رنگونی صاحب ہی فرمائیں کہ سعودی عرب کے ائمہ و مشائخ کے بارے میں ان کی تحقیق درست ہے، یا ان کے اکابرین کی، جو ان کو مقلد ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، لیکن انہیں سنبھل کر جواب دینا ہوگا، ہم نے انہیں باخبر کر دیا ہے اب انہیں اختیار حاصل ہے جس کو چاہے صحیح اور جس کو چاہے غلط قرار دیں۔

(٧) وہابی کون ہے؟ (ص٦)

چنانچہ غیر مقلدینِ ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیرو ہیں وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عمل درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ حنابلہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں ان کا بھی مثل غیر مقلدین کو (؟) اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول بہ ہے۔''[٨]

مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی سنن نسائی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ جو لوگ عبدالوہاب نجدی[٩] کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور اصول و فروع میں انہیں کے مسلک پر چلتے ہیں اور ہمارے ملک میں ''وہابی''[١٠] اور ''غیر مقلد'' کے نام سے معروف ہیں، ان کے خیال میں ائمہ اربعہ (رضوان اللہ علیہم) میں سے کسی ایک کی تقلید شرک......''[١١]

بعینہ یہی بات مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی سنن نسائی کے اپنے حاشیہ میں ذکر کی

(٨) الشہاب الثاقب (٦٢-٦٣ رحیمیہ دیوبند)

(٩) آپ کا صحیح نام محمد بن عبدالوہاب تمیمی ہے۔

(١٠) شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے متبعین کو ''وہابی'' اور ان کی دعوت کو ''وہابیت'' سے موسوم کرنا کسی بھی ناحیہ سے صحیح اور درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ نام مخالفین کا دیا ہوا ہے۔ جس کی تشہیر میں انگریزی استعمار کا بھی غیر معمولی رول اور کردار رہا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ رحمہ اللہ کا بیان ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں: ''وہابیت کا لقب اس دعوت کے حاملین نے اپنے لئے خود نہیں اختیار کیا ہے اور نہ اس لقب کو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں بلکہ یہ دشمنوں کا دیا ہوا نام ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو حاملین دعوت سے متنفر اور بدظن کرنا چاہتے ہیں، اور اس بات کا احساس دلانا چاہتے ہیں کہ وہابیت کے نام پر ان لوگوں نے اسلام کے چاروں بڑے مذاہب کے برخلاف ایک دوسرا خاص مذہب ایجاد کیا ہے، ان کا پسندیدہ نام ''سلفی'' ہے اور ان کی دعوت ''سلفی دعوت'' ہے، اسی طرح علامہ صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے بھی اپنی فارسی کی بعض تالیفات میں اس نام پر سخت نکیر کی ہے اور کہا ہے کہ اگر مؤسس کی جانب اس دعوت کی نسبت مقصود ہے تو اس کے بانی اور مؤسس محمد بن عبدالوہاب ہیں نہ کہ ان کے والد عبدالوہاب، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو **''دعوة الامام محمد بن عبدالوهاب سلفية لا وهابية''** مولفہ احمد الحصین (ص٣٧٧)

(١١) حاشیہ سنن نسائی مولفہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی (١/٣٠٦ مطبوعہ مطبع مجتبائی) منقول از مجلّہ محدث دہلی، شمارہ جولائی ١٩٣٦ء، عربی نص ملاحظہ ہو: **''ثم ليعلم الذين يدينون دين عبدالوهاب النجدي ويسلكون مسلكه في الأصول والفروع و يدعون في بلادنا باسم الوهابيين وغير المقلدين و يزعمون أن تقليد أحد الأربعة رضوان الله عليهم شرك......''**

ہے۔[۱۲]

یہ نہیں تصور کرنا چاہئے کہ اس طرح کی کتابیں تصنیف کرکے ان کو کتب خانوں کی الماریوں کی زینت بنایا جاتا تھا، بلکہ اہلحدیثوں کے خلاف صادر کئے گئے فتووں اور ان کی تردید میں لکھی گئی کتابوں کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی جاتی، اور انہیں تمام ہاتھوں تک پہنچانے کے لئے گماشتے بھیجے جاتے۔[۱۳] جس طرح آج کل اہلحدیثوں کے خلاف لکھی گئی کتابوں کی تقسیم کو کارِثواب سمجھتے ہوئے دور افتادہ دیہاتوں تک ان کتابوں کو پہنچایا جاتا ہے، ملک وملت کی فلاح وبہبود کی ٹھیکے دار جمعیتوں کے سربرآوردہ سجادہ نشین شخصیات فرمان جاری کرکے ان کو ہر فرد کے ہاتھ میں پہنچانے کی تلقین کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، اس وسیلہ سے تحریک عمل بالکتاب والسنہ کو زک پہنچانے میں ان کو کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی، اس کا نقشہ غلام رسول مہر نے اس طرح کھینچا ہے:

''اس زمانے میں (حجاز کے) ارباب حکومت نجدیوں سے بے حد بگڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ جنگ ختم ہوئے چند ہی سال گزرے تھے...... اگر کوئی شخص موحدانہ عقائد کی اشاعت میں ذرا سرگرم معلوم ہوتا اور بدعات ومحدثات کے رد میں سختی سے کام لیتا تو اسے ''وہابی'' سمجھ کر مواخذے کا تختہ مشق بنالیا جاتا تھا''[۱۴]

یہ صرف حجاز کی حکومت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ برصغیر (جس پر انگریزی استعمار کا تسلط تھا) کی بھی یہی حالت بلکہ اس سے ابتر تھی، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے صورتِ حال کا نقشہ اپنے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''اس زمانے میں ہندوستان میں وہابیوں کی جانب سے گورنمنٹ ہند نہایت برافروختہ تھی، اور ان کی جماعت کو سخت خطرناک پولیٹکل جماعت سمجھتی تھی'' اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

''ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ جماعت ملک میں نہایت قلیل تھی اور سواد اعظم سے سخت مذہبی مخالفت برپا تھی، مخالفین اسے نقصان پہنچانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں

(۱۲) حاشیہ سنن نسائی مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی، کتاب الزکاۃ، باب المؤلفۃ قلوبھم (۱/۳۵۹-۳۶۰) منقول از الدیوبندیۃ (ص ۲۵۱-۲۵۲)

(۱۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''علماء دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینہ میں'' (ص ۱۲۹-۱۳۶)

(۱۴) اہلحدیث اور سیاست (ص ۱۲۱-۱۲۲) بحوالہ سید احمد شہید (۱/۲۳۶) وجماعت مجاہدین ۸۴۔

کرتے تھے، ایک بڑی کوشش یہ بھی تھی کہ گورنمنٹ کو یقین دلاتے تھے کہ یہ جماعت اس کے برخلاف ہے، اور جہاد کرنا چاہتی ہے جس کے باور کرنے میں گورنمنٹ کو زیادہ پس وپیش نہ ہوا......'' مزید لکھتے ہیں: ''ان اسباب سے اس زمانے میں گورنمنٹ کو جس کسی پر وہابی ہونے کا شبہ ہوجاتا فوراً گرفتار کرتی، مقدمہ چلاتی، پھانسی ورنہ کم از کم کالے پانی حبس دوام کی سزا دیتی......''[۱۵]

تب رنگونی صاحب یا ان کے ہم نواؤں کو ان حقائق کے تسلیم کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ کسی اہلحدیث عالم کے قلم سے نہیں بلکہ ایک غیر جانبدار قلم سے لکھے گئے ہیں، بروقت اس سے ہمیں کوئی زیادہ سروکار نہیں ہے۔ کیونکہ علماء اہلحدیث نے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے جو خدمات اور قربانیاں پیش کیں یہ ان کا اپنا فریضہ تھا جسے بتوفیق الٰہی انہوں نے بحسن وخوبی انجام دیا، اللہ اسے شرف قبولیت بخشے، اور ان کے درجات میں بلندی عطا کرے، آمین۔ مخالفین نے نقصان پہنچانے کی غرض سے جو خدمات انجام دیں یہ ان کا اپنا فرض منصبی رہا ہوگا، جسے وہ کارِثواب سمجھتے رہے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی وہی اجر عطا فرمائے جس کے وہ مستحق ہیں، آمین۔

اتنا ضرور ہے کہ رنگونی صاحب اپنے اکابرین کی کہی ہوئی باتوں کو جو خود ان کی تالیف کردہ کتابوں میں خود انہی کے قلم سے بحوالہ قرطاس کی گئی ہیں ہرگز ہرگز نہیں جھٹلائیں گے، کیونکہ اس طرح کی جرأت کرکے وہ اپنی دنیا وعاقبت کو خراب کرنا پسند نہیں کریں گے، چنانچہ ان کے یہاں اس امر کو ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت حاصل ہوگی اور وجوبی طور پر ہونی بھی چاہئے کہ برصغیر کے غیر مقلدین اصول وفروع دونوں میں جزیرۂ عرب کے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت جس کو وہ وہابیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں کے متبع اور پیروکار ہیں، اس لئے کہ یہ ان کے ان اکابرین کی کہی ہوئی باتیں ہیں جن کی زبان مبارک سے حق کے سوا کوئی دوسری بات نہیں نکلتی ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے آگے بڑھیں، ادھر کئی سالوں سے حالات میں زبردست تبدیلی آئی ہوئی ہے، ہوا یہ کہ ''الدیوبندیہ'' کے نام

(۱۵) مولانا آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی (ص ۷۱-۷۲، مکتبہ اشاعۃ القرآن دہلی) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون: ''سلفیت کا تعارف اور اس کے متعلق شبہات کا ازالہ'' منشور درمجلّہ محدث، بنارس، جنوری ۱۹۹۹ء (ص ۱۲-۱۶)

سے ایک کتاب منظر عام پر آئی، جس میں عقیدہ کی سلامتی او رپختگی کا دعویٰ کرنے والی دیوبندی جماعت کے اکابرین کے عقائد کا خود انہی کی تالیف کردہ کتابوں کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے برصغیر کی پوری جماعت برافروختہ اور چراغ پا ہے، مختلف جہتوں سے متعدد کتابیں نہایت مختصر سی مدت میں منصۂ شہود پر آ گئیں، جن میں ''الدیوبندیہ'' کتاب کی تردید نہیں کی گئی ہے بلکہ: ''البادیٔ اظلم'' کی دہائی دیتے ہوئے جماعت اہلحدیث کو آئینہ دکھانے کا دعویٰ کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ جس آئینہ کو استعمال کیا گیا ہے وہ نہایت گدلا اور غیر صیقل ہونے کے ساتھ اس میں خود انہی کی شکل مرتسم ہے، کیونکہ اہلحدیثوں کو آئینہ دکھلاتے ہوئے وہ تمام حرکتیں روا رکھی گئی ہیں جو ہمیشہ سے اس قوم کا وطیرہ رہی ہیں یعنی عبارتوں میں خیانت، کتر بیونت، حذف و اضافہ اور خرد برد کو مکمل طریقے سے روا رکھا گیا ہے، مختلف نوعیت کی پینترے بازی کے ذریعہ ان کے معنی و مفہوم کو توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق سے کانٹ چھانٹ کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کسی طرح سے بھی ایک عام آدمی کے لئے لائق وزیبا نہیں، چہ جائیکہ ایک عالم دین کے لئے جائز و مناسب ہو، اس سلسلے میں غازی پور (یوپی) کی ایک قد آور شخصیت (جسم کے اعتبار سے نہیں بلکہ نام ونمود کے اعتبار سے) نے تو کمال ہی کر دیا ہے، نہایت مختصر سی مدت میں چار پانچ کتابیں لکھ ماریں، اور تسکین نہیں ہوئی تو غازی پور سے ہو کر بہنے والی پوتر گنگا کے کنارے بیٹھ کر زمزم نامی پرچہ نکالنا شروع کر دیا، ہر ایک میں اپنی اسی امانتداری اور دیانتداری (؟) کا ثبوت دیا ہے جسے انہوں نے از ہر ہند دار العلوم دیوبند (جو اپنی فضیلت و اہمیت میں ''البیت المعمور'' سے کم نہیں ہے) کے اپنے زمانہ طالب علمی میں اکابرین سے سیکھا اور حاصل کیا ہے، ان کی اس معکوس امانتداری اور الٹی دیانتداری کو ایک نہیں دسیوں ثبوت کے ساتھ محدث بنارس، اشاعۃ السنہ دہلی، صوت الامہ بنارس اور ترجمان دہلی کے صفحات میں اجاگر کر دیا گیا ہے، ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے، مذکورہ پوتھیوں میں سے ایک پوتھی مخصوص طور پر اسی مقصد کے تحت تالیف کی ہے کہ اس میں علماء اہلحدیث کی مخالفت شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، ان کے متبعین اور ان کی دعوت کے ساتھ دکھلائی جائے، اور اس کتاب کا نام ہی رکھا ہے: ''**وقفة مع معارضی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب و دعوته و حركته والأمراء السعوديين**'' اس کتاب میں خاص طور سے اپنے ہاتھ کے کرتب دکھلائے ہیں، اور قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے، مکمل ثبوت کے ساتھ ان کے ہاتھ کی صفائی، خیانت و بددیانتی، کتر بیونت، ڈھیٹ پن اور ان کی جرأت علی اللہ کے متعدد نمونے اپنے عربی مضمون ''**بئس مافعل...... أخو العشيرة**'' میں پیش کر دیا ہے، اس کتاب میں جہاں انہوں نے بہت سے گل کھلائے ہیں وہیں انہوں نے نمایاں طور پر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی اصلاح دعوت سے اکابرین جماعت اہلحدیث کی عداوت و دشمنی اور شدید اختلاف دکھلانے کی کوشش کی ہے، اس مقصد کے لئے انہیں وہ تمام حربے استعمال کرنے پڑے جن کو ایک عام آدمی کے لئے مناسب نہیں سمجھا جاتا چہ جائیکہ ایک صاحبِ علم کے لئے مناسب ہوں، چنانچہ انہوں نے عبارتوں کو سیاق و سباق سے کاٹ کر، توڑ مروڑ کر حذف و اضافہ اور کتر بیونت کر کے ان کی عداوت و دشمنی کو دکھلانے کا نیک کام انجام دیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے ان عبارتوں سے بھی ان کی مخالفت اور دشمنی کو اپنی عقل کے ناخنوں سے کھرچ کر نکالنے اور پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن کو انہوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی دعوت حقہ کے مخالفین سے بطور اقتباس نقل کیا ہے، اور ان کی تردید کی ہے، چونکہ بیشتر کتابیں بزبان فارسی یا اردو ہیں لہذا وہ یہ تصور کر رہے تھے کہ کوئی اور خاص طور سے عربوں میں سے کوئی جن کے لئے کتاب تصنیف کی گئی ہے ان کتابوں کو کھول کر اصل عبارت سے موازنہ کرنے نہیں جائے گا، اپنے عربی کے مضمون ''**بئس مافعل...... اخوا العشيرة**''[16] میں ان کے تمام ہتھکنڈوں کی قلعی کھول دی ہے، مثالوں کے ذریعہ اور اصل عبارت پیش کر کے ان کی بددیانتی اور خیانت کو واضح کر دیا ہے، مخالفت دکھلانے کے لئے اکابرین جماعت کی ان تحریروں کو بھی اپنا مستدل بنایا ہے جن میں انہوں نے اپنے کرم فرماؤں کی ریشہ دوانیوں اور مخبری اور انگریز استعمار کی چیرہ دستیوں سے مجبور و پریشان ہو کر وہابی تحریک سے اپنی براءت اور لاتعلقی کا اظہار کیا ہے، چنانچہ خوب نمک مرچ لگا کر موصوف نے ان عبارتوں کو پیش کر کے اکابرین جماعت اہلحدیث کو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا دشمن قرار دیا ہے، جبکہ حقیقت یہی ہے کہ دونوں تحریکوں میں ابتداً کوئی ربط و تعلق نہیں تھا، دونوں مستقل طور پر اپنے اپنے دائرے میں کام کر رہی تھیں، یہ الگ بات ہے کہ دونوں کا مأخذ و مصدر ایک ہونے کی بناء پر دونوں کے افکار ونظریات اور منہج میں نمایاں طور پر ہم آہنگی اور یگانگت پائی جاتی ہے، لیکن انگریز کی ستم رانیوں کی وجہ سے انہیں وہابیت سے لاتعلقی کا اظہار کرنا پڑا۔ اس قسم کی بات خود ان کے اکابرین نے بھی کہی

ہے۔ چنانچہ مولانا محمد مطیع الحق دیوبندی اپنی کتاب وہابی کون ہے؟ میں لکھتے ہیں: ''فاضل بریلوی نے علمائے حرمین شریفین کے سامنے ہمائے علماء کو ''وہابی'' اس لئے ظاہر کیا تاکہ ان حضرات کو زیادہ نفرت اور عداوت پیدا ہو''۔(١٧)

اسی فاضل بریلوی کے ''وہابی'' قرار دینے اور علماء دیوبند کے خلاف ''حسام الحرمین'' تالیف کرنے پر معروف زمانہ کتاب ''الشہاب الثاقب'' کی تالیف عمل میں لائی گئی، جس میں فاضل بریلوی پر کم تردید کی گئی ہے بلکہ اس سے اپنے تقارب اور مسلکی ہم آہنگی کو ظاہر کرتے ہوئے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے متبعین رحمہم اللہ کو تختۂ مشق بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی جماعت اہلحدیث کی بھی خوشنما اور دلنشیں گالیوں کے ذریعہ خوب آؤ بھگت کی گئی ہے، اور تقریباً کتاب کے ہر صفحہ پر بلا مبالغہ تین چار بار ضرور ''وہابیہ خبیثہ'' یا ''وہابیہ نجدیہ خبیثہ'' کہہ کر وہابی تحریک (جس کو ہم دعوت حقہ کے نام سے جانتے ہیں) کو ہدیہ سلام پیش کیا گیا ہے، اور خود شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو کن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

> ''الحاصل وہ ایک ظالم وباغی وخونخوار فاسق شخص تھا اسی وجہ سے اہل عرب کو اس سے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا، اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے نہ ہنود سے''(١٨)

اور مولانا مطیع الحق دیوبندی اپنی تلخیص میں اتنا اضافہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

> ''اور یقیناً وہ اور اس کے ماننے والے اس سے بھی زیادہ نفرت وحقارت کے مستحق ہیں''(١٩)

موصوف مؤلف ''وقفة مع معارضی شیخ الاسلام'' نے اپنی اس کتاب میں ایک تحقیق انیق (؟) یہ بھی پیش فرمائی ہے اور اپنے ہم نواؤں کے لئے غیر معمولی دل بستگی کا زریں موقعہ فراہم کیا ہے کہ جمعیت اہلحدیث کے اکابریں اور جماعت کی موجودہ نسل کے مابین شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کی دعوت کی بہ نسبت سخت تعارض اور زبردست تضاد پایا جاتا ہے، جماعت اہلحدیث کے اکابرین اس دعوت سے متنفر اور اس کے سخت دشمن تھے، جبکہ موجودہ نسل سلفیان عرب کی دولت کی فراوانی اور ان کے جود وسخا کو دیکھ کر متملقانہ اور منافقانہ طریقے سے اپنے کو سلفی اور وہابی ظاہر کرتی ہے اور اس طرح ان کی دولت سے مستفید و مستفیض ہوتی ہے، اور ان کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے!! درحقیقت اس تحقیق انیق سے موصوف مؤلف نے اپنے منافقانہ موقف پر پردہ ڈالنے کی سعی نامسعود کی ہے، اگر کسی طرح کا تعارض وتضاد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے تعلق سے کسی جماعت کے اکابرین و اصاغرین کے درمیان پایا جاتا ہے تو وہ دیوبندی جماعت کے اکابرین و اصاغرین کے مابین پایا جاتا ہے، چنانچہ اس جماعت کے اکابرین برصغیر کی جماعت اہلحدیث (جس کو یہ لوگ غیر مقلدین کا نام دیتے ہیں) کو اپنے قول کے مطابق ''طائفہ وہابیہ نجدیہ خبیثہ'' کا متبع اور پیرو بتلاتے ہیں جبکہ اس کے اصاغرین نسل جدید اور نسل قدیم کے درمیان تفریق کرکے نسل قدیم کو مخالف اور دشمن قرار دیتے ہیں، اور نسل جدید کو موافق اور ہم نوا ثابت کرتے ہیں تاکہ سیم و زر جمع کرسکیں، سنا ہے ایک صاحب حافظ محمد اقبال رنگونی (مانچسٹر) نے بھی اپنے اکابرین واسلاف کو انگوٹھا دکھا کر غیر مقلدین (یعنی اہلحدیث) اور سعودی عرب کے ائمہ ومشائخ کے مسلک سے شدید اختلاف دکھلانے کے لئے کوئی کتاب لکھی ہے، تقلید، فاتحہ خلف الامام، طلاق ثلاثہ، اور نماز تراویح کو بنیاد بنا کر شدید اختلاف دکھلانے کی کوشش کی ہے اس طرح سے انہوں نے کئی ناجیوں سے اپنے اسلاف کا منہ چڑھایا ہے۔

اولاً ان کے اکابرین واسلاف اس امر پر متفق ہیں کہ ہندوستان کی غیر مقلد جماعت شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی متبع اور ان کی پیرو ہے ،اصول وفروع میں ان کی تقلید کرتی ہے، رنگونی صاحب نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اہلحدیثوں کو انکا مخالف ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔

ثانیاً سعودی مشائخ کو حنبلی ثابت کرکے اپنے شیخ الاسلام حسین احمد مدنی وغیرہ کی تقلید کی ہے جنہوں نے ان کو مقلد ماننے سے انکار کردیا ہے۔

یہ حضرات علماء اہلحدیث کی جانب سے دلائل و براہین کی روشنی میں کی گئی ان اکابرین کی مخالفت کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں، اس پر ان کو دنیا ہی میں عقاب الٰہی کا مژدہ سناتے ہیں، اور ان پر پڑنے والی بعض افتاد کو قطعیت کے ساتھ اکابرین دیوبند کی مخالفت کا شاخسانہ بتلاتے ہیں، لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ یہ خود

---

(١٦) یہ مضمون قسط وار جامعہ سلفیہ بنارس کے عربی میگزین صوت الامۃ میں شائع ہورہا ہے۔ پہلی قسط جنوری ١٩٩٩ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔

(١٧) وہابی کون ہے؟ (ص ٥)

(١٨) الشہاب الثاقب (ص ٤٢)

(١٩) وہابی کون ہے؟ (ص ٥)

اپنے اکابرین کی بہت سے معاملات میں برملا مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ سابقہ سطور سے واضح ہوا۔اسی طرح ان کے اکابرین نے بہت ہی واضح طور پر (بقول ان کے) طائفہ وہابیہ سے ہر نوعیت کے تعلق کا انکار کیا ہے، چنانچہ ''الشہاب الثاقب'' اوراس کی تلخیص کے ہر صفحہ میں شیخ محمد عبدالوہاب رحمہ اللہ اوران کے عقائد سے براءت کا اظہار کیا گیا ہے، اورانہیں ظالم باغی خونخوار اور فاسق قرار دیتے ہوئے ان کو اور ان کے متبعین کو نصاریٰ، مجوسی، یہودا و رہندؤں سے بھی زیادہ قابل نفرت قرار دیا ہے، اسی سطرح مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے عقائد علماء دیوبند (جو بزبان عربی **المهند علی المفند** کے نام سے معروف ہے) میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے تعلق سے کلام کرتے ہوئے نہایت واضح الفاظ میں تحریر فرمایا ہے: ''...... میں کہتا ہوں کہ عبدالوہاب (؟) اوراس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے سلسلہ مشائخ میں نہیں ہے نہ تفسیر وفقہ حدیث کے علمی سلسلہ میں نہ تصوف میں......''[۲۰]

لیکن ان کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے عرب مہمانوں کو دیئے گئے سپاسناموں میں اپنے آپ کو ''وہابی'' کہا گیا ہے، چنانچہ ۱۴/نومبر ۱۹۸۷ء کو ایک عربی وفد کی تشریف آوری پر استقبالیہ دیا گیا تھا، اس میں پیش کئے گئے سپاسنامہ میں واضح طور پر کہا گیا تھا: ''**وقد تسمی الدیوبندیة بالوهابیة نسبة الی الشیخ محمد بن عبدالوهاب النجدی رحمه الله**'' ''یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے دیوبندی جماعت کو وہابی بھی کہا جاتا ہے''

ان کی اپنی نظر میں اکابرین کی مخالفت کی خطرناکی کے باوجود اس صریح مخالفت کو کیونکر روا رکھا گیا؟ یہ تو وہی جانتے ہوں گے یا ان کا رب جانتا ہوگا؟ ان کی طرح ہمارے پاس غیبی طاقت ہے نہیں کہ سینوں میں گھس کر یہ معلوم کرلیں کہ صدق واخلاق کے ساتھ یہ تقرب اختیار کیا گیا ہے یا محض نفاق اورتقیہ کی بنیاد پر۔لیکن حالات کے پیش نظر اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی مقصد اس تقرب سے ضرور وابستہ ہے اور کوئی اہم مقصد وابستہ ہے، ورنہ اکابرین کی اتنی صریح خلاف ورزی کو روا نہیں رکھا جاتا۔

زیر نظر کتاب ''اہلحدیث اور علماء حرمین کا اتفاق رائے'' تالیف برادر مکرم جناب مولانا حافظ محمد اسحٰق زاہد حفظہ اللہ، درحقیقت رنگونی صاحب کی کتاب ''غیر مقلدین کا سعودی عرب کے ائمہ ومشائخ کے مسلک سے شدید اختلاف'' کا نہایت ہی مدلل ومبرہن اور سنجیدہ جواب ہے، رنگونی صاحب نے جن چار مسائل (تقلید، طلاق ثلاثہ، قراءۃ خلف الامام، نماز تراویح) کو زیر بحث بنا کر غیر مقلدین (برصغیر کے علماء اہلحدیث) اور سعودی علماء ومشائخ کے مابین شدید اختلاف دکھلانے کی کوشش کی ہے، فاضل مؤلف نے کتاب وسنت اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں نہایت اختصار کے ساتھ ان موضوعات پر بالترتیب محققانہ بحث کی ہے، اس کے بعد علماء اہلحدیث اور سعودی علماء ومشائخ کے موقف اور مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے رنگونی صاحب کے دعویٰ کو غلط ثابت کیا ہے اور ان کی غلط بیانی کو واضح کیا ہے، فاضل مؤلف کی خوبی یہ ہے کہ زبان نہایت آسان، عام فہم اور ستھری استعمال کی ہے، اسلوب حد درجہ علمی اور رزانت سے پر ہے، کٹھ حجتی اور کج بحثی سے مکمل گریز کیا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو اس علمی کاوش پر جزائے خیر عنایت فرمائے اور اسے ان کے لئے توشۂ آخرت بناتے ہوئے اس کی افادیت کو عام کرے، اور متلاشیان حق کے لئے مشعلِ راہ بنائے۔آمین!

اخیر میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراتے ہوئے عرض کناں ہوں، سابقہ معروضات کی روشنی میں یہ حضرات واضح فرمائیں کہ کیا یہ لوگ اہلحدیثوں کو علماء سعودیہ کا مخالف یا دشمن ثابت کرنے میں حق بجانب ہیں یا ان کے اکابرین اہلحدیثوں کو ائمہ ومشائخ سعودی عرب کا متبع اور پیروکار ثابت کرنے میں حق بجانب ہیں؟ یہ بالکل واضح بات ہے کہ دونوں کبھی بھی حق بجانب نہیں ہوسکتے، کیونکہ اس سے اجتماع الضدین لازم آئے گا، ان دونوں میں جو بھی حق بجانب ہو دوسرا لازمی طور پر غلط ہوگا۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ ''**اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه**''

وصل اللهم علی خیر خلقه محمد وآله و صحبه وسلم

الراقم: العبد الضعیف

رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

جامعہ سلفیہ، بنارس ۲۲/۴/۱۴۲۱ھ

(۲۰) عقائد علماء دیوبند (ص۱۷) واضح ہونا چاہیئے کہ اس کتاب پر جملہ کبار علماء دیوبند کے تصدیقی مہر ثبت ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

''غیر مقلدین کا سعودی عرب کے ائمہ و مشائخ کے مسلک سے شدید اختلاف'' کے عنوان سے ایک رسالہ میرے سامنے ہے، جس کے مؤلف مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی (مانچسٹر) ہیں اور اسے جمعیت اہلسنّت والجماعت ضلع وہاڑی نے شائع کیا ہے۔ مؤلف کو یہ رسالہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس کی وجہ خود مؤلف بیان کرتے ہیں کہ برمنگھم سے ایک بریلوی عالم مولوی قمرالدین اعظمی نے ایک اشتہار شائع کیا ہے جس میں انھوں نے ائمہ حرمین شریفین کے پیچھے نماز ادا نہ کرنے کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سعودی عرب کے علماء تقلید کو حرام کہتے ہیں، لہٰذا اجماع کے منکرین کے پیچھے نماز کیسے درست ہوسکتی ہے، نیز طلاق کے مسئلے میں بھی یہ علماء اجماعِ امت کی مخالفت کرتے ہیں، اور لندن کے ڈاکٹر صہیب حسن صاحب ان کی تائید کرتے ہیں، رنگونی صاحب اسی اشتہار کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''بریلوی علماء کے اس اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے سعودی عرب کے ائمہ کو بدنام کرنے کے لئے پھر ایک نیا کھیل شروع کیا ہے ...... بریلوی علماء کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے سعودی عرب کے ائمہ اور مشائخ کے مسلک کو ڈاکٹر صہیب حسن سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ خود ائمہ حرمین اور علماءِ عرب کی تحریرات میں ان کا مسلک و مذہب واضح ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ سعودی عرب کے ائمہ اور غیر مقلدین کے مسلک و مذہب میں کوئی مماثلت نہیں بلکہ زمین و آسمان کا فرق ہے''

تو اس رسالے کو لکھنے کا اصل محرک رنگونی صاحب کے سامنے بریلویوں کا مذکورہ اشتہار ہے، جس کے ذریعے بریلوی، ائمہ حرمین کو (بقول رنگونی صاحب) بدنام کرنا چاہتے ہیں، اور خود رنگونی صاحب اپنے اس رسالے میں ان کا دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ائمہ حرمین اہلحدیثوں کی طرح اجماعِ امت کے منکر یا اس کی مخالفت کرنے والے نہیں ہیں، وہ تو اَحناف مقلدین کی طرح مقلد ہیں اور ان میں اور اہلحدیثوں میں کوئی مماثلت نہیں، بلکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مناسب ہوتا کہ رنگونی صاحب زمین و آسمان کے اس فرق کو خود ائمہ حرمین کی تحریروں سے ثابت کرتے، جیسا کہ ان کا فرمان ہے کہ ''خود ائمہ حرمین اور علماءِ عرب کی تحریرات (؟) میں ان کا مسلک و مذہب واضح ہے''...... لیکن اسے کیا کہئے کہ اس پورے رسالے میں رنگونی صاحب نے ائمہ حرمین کی کسی ایک بھی تحریر کا حوالہ نہیں دیا، اور نہ وہ دے سکتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے رسالے کا آغاز مذکورہ اشتہار کے تذکرے سے کیا ہے، لہٰذا ضروری تھا کہ وہ ائمہ حرمین کے مسلک کی اہلحدیثوں کے مسلک

سے مغایرت اور دونوں کے درمیان زمین و آسمان کے فرق کو واضح اور ٹھوس دلائل سے ثابت کرتے تاکہ بریلویوں کی ائمہ حرمین کے بارے میں بدگمانی دور ہو جاتی اور وہ ان کی امامت میں نماز درست قرار دیتے ، لیکن افسوس کہ رنگونی صاحب سے اس اہم موضوع کا دامن آغازِ بحث ہی میں چھوٹ گیا اور وہ ایک خبطی کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارنے لگ گئے اور بے سروپا باتوں پر مشتمل ایک رسالہ ترتیب دیکر مارکیٹ میں روانہ کردیا، جس سے کوئی جاہل تو دھوکہ کھا سکتا ہے، البتہ کسی عاقل اور معمولی پڑھے لکھے شخص کو اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی کہ رنگونی صاحب نے فرطِ تعصب میں سراسر ناانصافی کی ہے ، اور جیسا کہ قدیم و جدید متعصب احناف مقلدین کی عادتِ مبارکہ ہے ، انھوں نے بھی الزام تراشی میں اہلحدیثوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

رنگونی صاحب کہتے ہیں کہ بریلوی علماء کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے سعودی عرب کے ائمہ اور مشائخ کے مسلک کو ڈاکٹر صہیب حسن سے سمجھنے کی کوشش کی ہے جبکہ خود رنگونی صاحب نے بھی اتنی ہی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور ائمہ حرمین کے مسلک کو سعودیہ کے چند علماء کی تحریروں سے سمجھنے کی صرف کوشش ہی نہیں کی بلکہ ان علماء کے مسلک کو ائمہ حرمین کا مسلک قرار دیا ہے، اور یہ ہمارے نزدیک ائمہ حرمین پر افتراء پردازی ہے، جس سے رنگونی صاحب کو فوراً توبہ کرنی چاہیے ورنہ ایسا نہ ہو کہ توبہ کئے بغیر ان کی موت آجائے، اور پھر قیامت کے دن یہی ائمہ حرمین ان کا گریبان پکڑلیں اور ان سے سوال کریں کہ آپ کو کیسے جرأت ہوئی کہ آپ نے ہمارا مسلک دوسرے سعودی علماء کی تحریروں سے ثابت کیا؟ پھر رنگونی صاحب کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے اور یقینی طور پر شرمندگی اور ندامت کے سوا کچھ نصیب نہ ہوگا۔

جیسا کہ ہم نے عرض کی ہے کہ رنگونی صاحب نے چند سعودی علماء کی بعض تحریروں کو سامنے رکھ کر مسلکِ اہلحدیث کی ان علماء کے مسلک سے مغایرت اور مسلکِ احناف کی اس سے مماثلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ، انہوں نے اس سلسلے میں چار مسائل بطورِ مثال ذکر کیے ہیں جو کہ یہ ہیں :

۱۔مسئلہ تقلید ۲۔مسئلہ طلاقِ ثلاثہ

۳۔مسئلہ فاتحہ خلف الامام ۴۔مسئلہ نماز تراویح

رنگونی صاحب کے نزدیک ان چاروں مسائل میں سعودی علماء کا موقف وہی ہے جو کہ پاک و ہند کے اَحناف مقلدین کا ہے ، لیکن یہاں بھی انہوں نے ایک بہت بڑا دعویٰ کرکے اس کو درست ثابت کرنے کے لئے ٹھوس اور مضبوط دلائل و براہین فراہم کرنے کی بجائے مکمل طور پر چالبازی سے کام لیا ہے ، چنانچہ مسئلہ تقلید میں سعودی علماء میں سے صرف امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کہہ کر کہ وہ فروع میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں، لکھتے ہیں :

''مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ سعودی عرب کے ائمہ و مشائخ حنبلی المذہب ہیں اور فقہ حنبلی کی پیروی کرتے ہیں'' ص:۱۴

تو کون سے دلائل آپ نے ذکر کئے ہیں جن کی روشنی میں سعودی عرب کے ائمہ و مشائخ کا حنبلی المذہب ہونا قرار پایا ؟ کیا صرف محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے متعلق یہ بتانے سے کہ وہ حنبلی المذہب تھے' سعودیہ کے ائمہ اور دیگر جمیع مشائخ کا حنبلی المذہب ہونا ثابت ہوتا ہے؟ اور پھر کیا امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا فروع میں حنبلی المذہب ہونے کا یہ معنی ہے کہ وہ احناف مقلدین کی طرح اندھے مقلد ہیں؟ اور ان کی طرح حنبلی فقہ کے خلاف کوئی دلیل سننا گوارا نہیں کرتے ؟ اور جب صحیح دلیل فقہ حنبلی کے خلاف ہو تو وہ اس دلیل کی ناجائز تاویل کرکے یا اس کے مقابلے میں ضعیف دلیل پیش کرکے اپنی فقہ سے چمٹے رہتے ہیں؟ اور کیا وہ حنبلی فقہاء کو معصوم تصور کرتے ہیں، جس طرح احناف مقلدین اپنی فقہ اور فقہاء کو غلطی سے پاک اور دین اسلام کا نچوڑ قرار دیتے ہیں ؟ ان سوالوں کے جوابات رنگونی صاحب پر قرض ہیں، اور ہم نے اس رسالے میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سعودی علماء بشمول محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اندھی تقلید کو ناجائز تصور کرتے ہیں ، اور ان کا مسلک تحقیق اور اتباعِ دلیل ہے' خواہ دلیل فقہ حنبلی کے موافق ہو یا مخالف، اور اس سلسلے میں ہم نے سعودیہ کے چھ کبار علماء کا موقف بھی بیان کیا ہے جس میں امام حرم مکی بھی شامل ہیں ۔

اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں بھی سعودی علماء میں سے صرف شیخ عبدالعزیز محمد سلمان کا فتوی رنگونی صاحب نے نقل کیا ہے' اور اس کے بعد لکھتے ہیں :

''اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ سعودی علماء اور مشائخ قراءتِ فاتحہ خلف

الامام کے مسئلے میں حضرت امام احمد بن حنبل کی فقہ پر چلتے ہیں اور حنفی فقہ کے قریب ہیں۔'' ص:۱۹

یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف ایک عالم کا موقف سعودیہ کے جمیع علماء و مشائخ کا موقف قرار پائے گا؟ ہم اس رسالے میں رنگونی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو تصویر کا اصلی رخ دکھائیں گے اور دلائل سے ثابت کریں گے کہ سعودی عرب کے پانچ چوٹی کے علماء امام کے پیچھے فاتحہ کی قراءت کو فرض قرار دیتے ہیں۔

امانت علمی کا تقاضا تو یہ تھا کہ رنگونی صاحب سعودی عرب کے کبار علماء کا مطالعہ کرتے اور ان مسائل میں ان کا موقف بھی بیان کرتے جن کا سعودی معاشرے میں خصوصاً اور دنیائے اسلام میں عموماً بہت بڑا مقام ہے۔لیکن انہیں اس کی توفیق نہیں ملی، اور چاروں مسائل میں سے ہر ایک میں انہوں نے ایک دو سعودی علماء کی تصریحات ذکر کر کے ائمہ حرمین اور سعودی عرب کے جمیع مشائخ پر حکم صادر کر دیا کہ ان میں اور پاک و ہند کے اہلحدیث علماء میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔اور مسئلہ طلاقِ ثلاثہ میں تو انہوں نے علمی خیانت کی حد کر دی ہے چنانچہ انہوں نے کبار علماء پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے اور اسے کمیٹی کے تمام ممبران کا متفقہ فیصلہ قرار دیا ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ کمیٹی کے پانچ ممبران، جن میں سعودیہ کے سابق مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، نے ایک الگ فیصلہ لکھا اور تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کے مسلک کو ترجیح دی، ہم نے ان پانچ علماء کا فتویٰ بھی باحوالہ نقل کر دیا ہے، اور ان کے علاوہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا ایک اور تفصیلی فتویٰ بھی نقل کیا ہے، اور سعودیہ کے کبار علماء میں سے مزید دو علماء کا موقف بھی ذکر کیا ہے۔

اور مسئلہ تراویح میں بھی صورتحال مختلف نہیں ہے' وہاں بھی رنگونی صاحب نے شیخ عطیہ سالم رحمہ اللہ' اور شیخ عبدالعزیز السلمان کی آراء نقل کی ہیں' اور ائمہ حرمین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بیس رکعات نمازِ تراویح پڑھاتے ہیں' حالانکہ یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ خانۂ کعبہ میں دو امام تراویح پڑھاتے ہیں، ایک دس رکعات پڑھا کر چلا جاتا ہے، پھر دوسرا آتا ہے اور وہ بھی دس رکعات تراویح پڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سعودیہ کی دیگر جمیع مساجد میں آٹھ رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ سعودی علماء کے نزدیک آٹھ رکعات ہی سنت اور افضل ہیں پھر بھی ہم نے سعودی عرب کے پانچ علماء کا موقف ذکر کیا ہے جو کہ آٹھ تراویح کو ہی سنت اور افضل سمجھتے ہیں' اور آٹھ سے زیادہ رکعات کو نفل سمجھ کر پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

ہم نے ان چاروں مسائل میں اہلحدیثوں کا موقف بالاختصار بیان کیا ہے اور تفصیلی علمی بحث سے اجتناب کیا ہے کیونکہ ایک تو یہ ہمارا اصل موضوع نہیں کیونکہ اصل موضوع صرف سعودی عرب کے علماء کا ان مسائل میں موقف بیان کرنا ہے اور دوسرا اس لئے کہ ان چاروں مسائل پر ہمارے اہلحدیث علماء کی گرانقدر تصانیف موجود ہیں، جن میں احناف کے دلائل کا علمی انداز میں بھرپور جواب دیا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دلائل کے میدان میں مات کھانے کے بعد اب احناف نے اپنی بقا کی خاطر آخری حربہ اختیار کیا ہے کہ سعودی مشائخ کو اپنا ہمنوا ظاہر کیا جائے' ویسے یہ بات بڑی عجیب سی لگتی ہے کہ کل تک تو احناف ''الشهاب الثاقب'' وغیرہ لکھ کر سعوی عرب کی سلفی تحریک کے خلاف زہر اُگل رہے تھے اور آج اسے اپنا ہمنوا ظاہر کرنے کی کوشش ہو رہی ہے!! کاش جھوٹ اور محض پروپیگنڈے کی بجائے سعودی عرب کے علماء سے ہمارے احناف بھائی عقیدۂ توحید سیکھتے، اور ان کی طرح اتباعِ دلیل کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے، اور اندھی تقلید سے آزاد ہو جاتے، لیکن کیا ستم ظریفی ہے کہ اندھی تقلید کا طوق بھی نہیں اتارتے اور سعودی علماء کو اپنا ہمنوا بھی تصور کرتے ہیں!! تصوف، پیرپرستی اور بدعات کو بھی خیرباد نہیں کہتے اور دعویٰ یہ ہے کہ ان میں اور سعودی عرب کے علماء میں کوئی فرق نہیں!!

رنگونی صاحب کے رسالے کا مقدمہ وہاڑی کے ایک صاحب نے لکھا ہے، اور مقدمہ کیا لکھا ہے کہ اس میں اہلحدیثوں کے خلاف خوب غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے، اور اس دوران ان کے قلم نے بے لگام ہو کر اہلحدیثوں کو متعدد القاب سے بھی نوازا ہے، اور ان پر کئی تہمتیں بھی لگائی ہیں۔ہمیں اس بات کی خوشی ہے اس زبان درازی سے اہلحدیثوں کا کچھ بھی نہیں بگڑتا اور مفت میں انہیں نیکیاں بھی ملتی رہتی ہیں، ویسے ہم بھی انہیں کی زبان استعمال کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو سکتے تھے، لیکن ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ پر عمل کرتے ہوئے قلم روک رہے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو حق بات کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین ثم آمین

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله و صحبه أجمعين

پہلا مسئلہ

اِتباع اور تقلید

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاءَ﴾

ترجمہ: ''جو تمہارے مالک کی طرف سے تم پر اترا، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے چہیتوں کی پیروی مت کرو'' (الاعراف:۳)

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں صرف اور صرف آسمان سے نازل شدہ وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسری کسی چیز کی پیروی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے کیونکہ آسمان سے نازل شدہ وحی ہی معصوم یعنی غلطی سے پاک اور برحق ہے' دوسری ہر چیز میں غلطی کا امکان ہوسکتا ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ (محمد:۲)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور جو محمد ﷺ پر اترا، اس پر بھی ایمان لائے اور وہی برحق ہے ان کے مالک کے پاس سے، ان کے گناہ اللہ نے بخش دیئے اور ان کا حال سنوار دیا''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ پر اتری ہوئی وحی پر ایمان لانا اور اسی کو برحق سمجھنا اور اسی پر عمل پیرا ہونا انتہائی ضروری ہے، اس سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں:

ایک اللہ کی طرف سے بخشش ہوجاتی ہے اور دوسرا حال سنور جاتا ہے۔

اور وحی الٰہی کی پابندی کرنے والا شخص ہی صراطِ مستقیم پر چلنے والا ہوتا ہے، اور جو بھی وحی الٰہی سے انحراف کرتا ہے، وہ صراط مستقیم سے ہٹ جاتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

ترجمہ: ''تو اس کو مضبوطی سے تھام لے جس کی تیری طرف وحی کی گئی، بے شک تو سیدھے راستے پر ہے'' (الزخرف:۴۳)

اب سوال یہ ہے کہ جس وحی کی پیروی کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور جو برحق اور غلطی سے پاک ہے اور جس کی پابندی کرنے سے انسان صراطِ مستقیم پر چل نکلتا ہے وہ کیا ہے؟

یقینی طور پر وہ دو چیزوں پر مشتمل ہے: کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم:۳،۴)

ترجمہ: ''اور وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے، ان کی جو بات ہے، وہ وحی ہے''

تو نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث بھی وحی ہیں اور قرآن کی طرح واجب الاتباع ہیں دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ قرآن وحیِ متلو ہے اور حدیث وحیِ غیر متلو ہے، اور یہی دو چیزیں ہیں جنھیں مضبوطی سے تھام لیا جائے اور انہی کی پابندی کی جائے تو انسان گمراہی سے بچ جاتا ہے۔فرمانِ رسول ﷺ ہے:

تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما : كتاب الله وسنتي (صحيح الجامع: ۲۹۳۷ رواه الحاكم)

ترجمہ: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جن کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے: اور وہ ہیں قرآنِ مجید اور سنتِ رسول ﷺ''

اور اختلافی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے انہی دو چیزوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:۵۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ ﷺ کا حکم مانو، اور تم میں جو حکم والے ہیں، ان کا۔ پھر اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن ایمان رکھتے ہو، یہی (تمہارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے''

آیت مذکورہ میں ''فی شیئ'' شرط کے بعد نکرہ ہے، جو کہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ اصول وفروع تمام مسائل میں اختلاف کا حل کتاب وسنت میں موجود ہے، اور اگر تمام متنازعہ مسائل کا حل کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ دیتا۔

مذکورہ نصوصِ شرعیہ سے معلوم ہوا کہ ہم صرف وحی الٰہی یعنی قرآن مجید اور صحیح احادیث کی پیروی کرنے کے پابند ہیں، اگر ہم ایسا کریں گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے، اور اختلافی مسائل انہی دو کی روشنی میں حل کریں گے تو یقیناً اختلاف ختم ہوگا اور مسلمانوں میں اتفاق پیدا ہوگا، اور اگر ہم کوئی مسئلہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے تو اہل علم سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں یہ مسئلہ سمجھائیں، کیونکہ صرف اسی صورت میں ان کی بات قابل قبول ہوگی، ورنہ کوئی عالم اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر کوئی مسئلہ سمجھائے گا تو اس کی بات مردود ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو'' (الحجرات:۱)

یعنی اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے تجاوز نہ کرو۔

ان دلائل سے یہ بات کھل کو واضح ہوجاتی ہے کہ محض اتباعِ دلیل ہمارا فریضہ ہے، اور دین کے سلسلے میں کسی بھی شخص کی بات خواہ وہ امام ہو یا کتنا بڑا بزرگ، تبھی قابل قبول ہوگی جب وہ قرآن وسنت کی دلیل کے موافق ہوگی، اگر وہ دلیل کے مطابق نہیں تو اسے ردّ کرکے دلیل کو قبول کرنا واجب ہوگا۔

چونکہ اللہ ربّ العزت نے ہمیں صرف اتباعِ دلیل کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم سے پوچھ گچھ بھی اسی کے متعلق ہوگی، اور چونکہ اللہ نے تقلید بلا دلیل کا پابند نہیں کیا اس لئے وہ ہم سے قطعاً یہ سوال نہیں کرے گا کہ تم نے فلاں امام کی تقلید کیوں نہیں کی؟

تقلید اور ائمہ اربعہ

یہی وجہ ہے کہ خود ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے، آیئے ان کے تقلید سے متعلق چند اقوال ملاحظہ کریں:

امام ابوحنیفہؒ

۱. **''حرام على من لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي، فإننا بشر نقول القول اليوم، ونرجع عنه غدا''**

''جو شخص میری دلیل کو نہ جانتا ہو اس پر حرام ہے کہ وہ میری بات کے ساتھ فتویٰ دے، کیونکہ ہم انسان ہیں، آج ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں''

۲. **إذا قلت قولا يخالف كتاب الله وخبر الرسول فاتركوا قولي**

''میں جب کوئی ایسی بات کہوں جو کتاب اللہ اور حدیثِ نبوی کے خلاف ہو، تو میری بات کو چھوڑ دو''

امام مالکؒ

۱. **''إنما أنا بشر أخطئ وأصيب، فانظروا في رأيي فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكل ما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه''**

''میں ایک انسان ہوں، غلط بھی کرسکتا ہوں اور درست بھی، اس لئے میری رائے کے بارے میں غور کرو، جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو، اور جو کتاب وسنت کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو''

۲. **ليس أحد بعد النبي ﷺ إلا ويؤخذ من قوله ويترك إلا النبي**

''نبی ﷺ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس کی ہر بات کو قبول کرنا لازمی ہو''

امام شافعیؒ

۱. **''أجمع المسلمون على أنه من استبان له سنة عن رسول الله ﷺ لم يحل لأحد أن يدعها بقول أحد''**

''تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ کی سنت معلوم ہوجائے اس کیلئے قطعاً درست نہیں کہ وہ کسی کے قول کی بنا پر اسے چھوڑ دے''

۲. **''إذا صحّ الحديث فهو مذهبي''**

''جب حدیث صحیح موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے''

۳. **''كل مسألة صح فيها الخبر عن رسول الله ﷺ عند أهل النقل بخلاف ما قلت فأنا راجع عنه في حياتي وبعد موتي''**

''ہر ایسا مسئلہ جس میں صحیح حدیث میرے موقف کے خلاف ہو، تو میں اپنے موقف سے رجوع کرتا ہوں، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی''

امام احمد بن حنبلؒ

'' لا تقلّدني، ولا تقلد مالكا، ولا الشافعي، ولا الأوزاعي، ولا الثوري، و خذ من حيث أخذوا''

''میری تقلید کرو نہ مالک کی، اور نہ شافعی، اوزاعی، اور ثوری کی، اور شریعت

وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے اس کو لیا"

ائمہ اربعہ کے ان اقوال سے ثابت ہوا ہے کہ:

محض اتباعِ دلیل ہمارا فریضہ ہے......تقلید ممنوع ہے اور کسی بھی شرعی مسئلہ میں جب ائمہ کرام کا مذہب حدیثِ نبوی سے ٹکراتا ہو، تو اسے چھوڑ کر حدیث کو قبول کرنا ضروری ہے۔

اس لئے مقلدین کو سوچنا چاہئے کہ جن کی وہ تقلید کرتے ہیں وہ انہیں تقلید سے منع کرتے ہیں، اور صحیح حدیث کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی مقلدین اندھی تقلید پر تلے ہوئے ہیں اور حدیث سے ٹکرانے والی اپنے بزرگوں کی آرا کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

تقلید چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے

اگر تقلید درست ہوتی تو پہلی تین صدیوں میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون قرار دیا، اس کا وجود ہوتا، لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ تقلید چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہے، پہلی تین صدیوں میں تقلید نام کی کوئی چیز نہ تھی، چنانچہ خود ائمہ اربعہ نے ایک دوسرے کی تقلید کی نہ ان کے ہم عصر دیگر محدثین وائمہ کرام نے اسے گلے سے لگایا، بلکہ تاریخ اس کے برعکس شہادت دیتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے ایک تہائی مسائل شرعیہ میں اپنے استاذ کی مخالفت کی (حاشیہ ابن عابدین ۱/۶۳)

اور اگر تقلید فعل ممدوح ہوتی تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ کی تقلید کی جاتی جو کہ انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان ہیں۔ پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ کی تقلید کی جاتی، پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کی تقلید کی جاتی، لیکن صحابہ کرامؓ کی پوری تاریخ پڑھ لی جائے آپ کو کہیں بھی کوئی ایک دلیل نہیں ملے گی کہ فلاں صحابی نے فلاں کی تقلید کی، حالانکہ صحابہ کرام میں علماء بھی تھے اور عوام الناس بھی تھے۔

اس لئے رنگونی صاحب کا یہ دعوی بالکل جھوٹ ہے کہ

"محدثین اور مفسرین متکلمین ومجددین کی پوری جماعت کسی نہ کسی کام کی تقلید کرتی رہی ہے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی سے منسلک رہے ہیں جب کہ غیر مقلدین ایک جدید فرقہ ہے اور ائمہ اربعہ کے مقابلے پر ایک نئے مسلک کی ایجاد ہے"

رنگونی صاحب کا یہ دعویٰ ان کی جہالت کا بہت بڑا ثبوت ہے، ورنہ انہیں بتانا چاہئے کہ خود ائمہ اربعہ، ان سے پہلے اور ان کے ہم عصر سلف صالحین کس کی تقلید کیا کرتے تھے؟ محدثین کی پوری جماعت نہیں، صرف دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دس محدثین کے نام بتادیں جو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کیا کرتے تھے، اگر نہیں بتا سکتے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اور ان کے ہمنوا مقلدین کبھی نہیں بتا سکتے، تو انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ اہلحدیث نیا فرقہ نہیں، ان کا وجود تو اس وقت بھی تھا جب مقلدین کے بزرگ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے، اور چونکہ رنگونی صاحب نے سعودی علماء کو اپنا ہمنوا بنانے کی ناکام کوشش کی ہے اس لئے اس سلسلے میں ایک سعودی عالم دین کی شہادت بھی ملاحظہ فرمایئے:

"إن الدعـوة بفتح باب الاجتهاد و عدم التعصب المذهبي، اتجاه سبق تاريخيا التقليد والمذهبية، حيث أرسىٰ أصوله الرسول ﷺ فكان المنهج السائد في القرون المفضلة الثلاثة الأولى، إلا أنه في القرون المتأخرة زادت الدعوة للمذاهب والتعصب لها مما أدّى إلى القول بغلق باب الاجتهاد وتقديم آراء العلماء والمتبوعين على الكتاب والسنة وتمزيق شمل المسلمين" (الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب، ج ۱، ص ۱۵۴)

ترجمہ: "اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور مذہبی تعصب درست نہیں" یہ وہ دعوت ہے جو تاریخی اعتبار سے تقلید سے پہلے موجود تھی اور اس دعوت کے اصول خود رسول اللہ ﷺ نے وضع فرمائے اور یہی دعوت پہلی تین صدیوں میں جن کی فضیلت بیان کی گئی ہے، رائج تھی، پھر مذاہب اور ان کے لئے تعصب کی دعوت معرضِ وجود میں آئی، جس نے اجتہاد کا دروازہ بند کردیا، علماء کی آراء کو کتاب وسنت پر فوقیت دینا شروع کردیا اور مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کرکے رکھ دیا"

رنگونی صاحب اور ان کے ہمنوا اس سعودی عالم دین کی مذکورہ عبارت کو بار بار پڑھیں اور آئینے میں اپنا چہرہ بھی دیکھتے رہیں۔

اور یہ بھی بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ "اہلحدیث ائمہ اربعہ کے مقابلے پر ایک نئے مسلک کی ایجاد ہے" کیونکہ اہلحدیث ائمہ اربعہ تو خود ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ محض اتباعِ دلیل کا حکم دیتے ہیں اور اپنی آراء کو اس وقت چھوڑ دینے کی تلقین کرتے ہیں جب وہ حدیثِ نبوی کے مخالف ہوں، اور یہی منہج ہے

اہلحدیثوں کا، جبکہ مقلدین نے اپنے ائمہ کی تعلیمات سے انحراف کیا ہے اور آج اپنے بزرگوں کی آراء سے یوں چمٹے ہوئے ہیں کہ اس بات کی پرواہ ہی نہیں، کہ احادیث ان آراء کی تائید کرتی ہیں یا ان کے خلاف ہیں۔

تقلید اور فرقہ پرستی

اللہ رب العزت نے اقامتِ دین کے سلسلے میں فرقہ بندی سے منع کیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

ترجمہ: ''یہ کہ دین قائم کرو، اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو''

اور فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران :۱۰۳)

''تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں مت بٹو''

تو فرقہ بندی مذموم ہے اور اتفاق واتحاد مطلوب وممدوح ہے، اور اس کی واحد شکل یہ ہے کہ سارے مسلمان صرف اور صرف کتاب وسنت پر عمل پیرا ہوں اور نصوصِ شرعیہ (قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ) کو ائمہ اور بزرگوں کی آراء پر فوقیت دیں، اہلحدیث بھی اسی اصول کی پابندی کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں، لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ متعصب مقلدین اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں:

۱۔متعصب احناف

۱. ''کل اٰیة أو حدیث تخالف المذهب فهي إما مؤولة أو منسوخة''

''ہر ایسی آیت اور حدیث جو حنفی مذہب کے خلاف ہو، اس کی یا تاویل کردی جائے گی یا اسے منسوخ تصور کیا جائے گا'' (مالایجوز فیه الخلاف بین المسلمین ص ۹۵)

۲. ''فواللہ لم یولد في الاسلام بعد النبی ﷺ وأصحابه أعبد وأسعد من أبي حنیفة''

''اللہ کی قسم! اسلام کی تاریخ میں نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بعد ابوحنیفہؒ سے زیادہ عبادت گزار اور سعادت مند پیدا نہیں ہوا'' (اعلاء السنن)

جبکہ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''إن خیر التابعین رجل یقال له أویس'' (صحیح مسلم) یعنی ''تابعین میں سب سے بہتر انسان اویسؒ ہیں''

تو کہاں متعصب احناف کا یہ قول اور کہاں آپ ﷺ کا یہ فرمان!

فلعنة ربنا أعداد رمل
علی من ردّ قول أبي حنیفة

''سو ہر ایسے شخص پر ریت کے ذرات کے برابر اللہ کی لعنت ہو جو ابوحنیفہؒ کے قول کو ردّ کردے'' (سیر اعلام النبلاء:۵۰۹/۱۸)

۲۔متعصب شافعیہ

ابوعبداللہ البوشنجی کا کہنا ہے:

أني حیاتي شافعي وإن أمت
فتوصیتي بعد بأن یتشفعوا

''میں زندگی بھر شافعی مسلک پر چلتا رہا ہوں، اور جب مرجاؤں گا میری وصیت لوگوں کے لئے یہ ہوگی کہ وہ بھی شافعی بن جائیں'' (سیر اعلام النبلاء ۷۳/۱۰)

۳۔متعصّب مالکیہ

قاضی عیاض کا کہنا ہے:

ومالک المرتضیٰ لاشک أفضلهم
إمام دار الهدیٰ والوحي والسنن

''اور امام مالک ان میں سب سے افضل ہیں، جو کہ مدینہ منورہ دار الہدی کے امام ہیں''
(سیر اعلام النبلاء ۱۰/۸)

۴۔متعصب حنابلہ

ابواسماعیل انصاری کا کہنا ہے:

أنا حنبلي ما حییت وإن أمت فوصیتي
للناس أن یتحنبلوا

''میں اپنی زندگی میں حنبلی ہوں، اور مرنے کے بعد لوگوں کے لئے میری وصیت یہ ہے کہ وہ بھی حنبلی بن جائیں'' (سیر اعلام النبلاء ۵۰۶/۱۸)

ابوحاتم بن خاموش کہتے ہیں:

”کل من لم یکن حنبلیا فلیس بمسلم“

”ہروہ شخص جو حنبلی نہیں، وہ مسلمان نہیں“ (سیر اعلام النبلاء ۱۸/۵۰۹)

قارئین کرام ! اب آپ خود غور فرمائیں کہ جب ائمہ اربعہ میں سے ہر امام کے مقلدین اپنے اپنے امام کے مسلک کی طرف دعوت دیں، اور ہر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے، اور اپنے مسلک کو برحق ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے تو بخدا بتائیے کیا یہ فرقہ پرستی نہیں؟ کیا یہ اتفاق واتحادِ امت کا راستہ ہے کہ اپنے امام کو دوسرے ائمہ سے اعلیٰ وبرتر تصور کیا جائے اور اس کی فقہ کو دوسرے امام کی فقہ پر ترجیح دی جائے؟

اور اگر یقین نہیں آتا تو لیجئے خود حنفی عالم دین کی شہادت پڑھ لیجئے:

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ تقلید نے امتِ مسلمہ کو فرقوں میں بانٹ دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں کدورتیں پیدا کردیں۔

اور امام ابن ابی العز حنفی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ ایک امام اور اس کی فقہ کے لئے تعصب کی وجہ سے فرقہ بندی کو ہوا ملتی ہے اور اجماعِ امت کی شدید حوصلہ شکنی ہوتی ہے، چنانچہ محمد بن محمود نے **النکت الظریفة فی ترجیح مذهب أبی حنیفة** تالیف کی تو ان کے ردّ میں امام ابن ابی العز حنفی نے **الاتباع** تصنیف کی، جس کے شروع میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

”فإنی وقفت علی رسالة لبعض الحنفیة رجح فیها تقلید مذهب أبی حنیفة، وحضّ علی ذلک، وجدت فیها مواضع مشکلة، فأحببت أن أنبه علیها خوفا من التفرق المنهی عنه واتباع الهوی المردیّ“

”میں نے ایک حنفی کا تصنیف کردہ رسالہ دیکھا جس میں اس نے مذہب ابوحنیفہ کی تقلید کو ترجیح دی ہے، اور اس میں اس کی ترغیب دلائی ہے، مجھے اس میں کافی اشکالات محسوس ہوئے، اس لئے میں نے پسند کیا ہے کہ ان پر تنبیہ کروں تاکہ امت میں وہ افتراق پیدا نہ ہو جس سے منع کیا گیا ہے اور اتباعِ دلیل کی بجائے خواہش پرستی شروع نہ ہوجائے جو تباہ کن ہے۔“ (**الاتباع : ۲۱**)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک امام کی تقلید کو ترجیح دینے اور اس کی طرف ترغیب دلانے سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے اور خواہش پرستی شروع ہوجاتی ہے، یہ فرمان آپ ہی کے امام کا ہے: ؎ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اور جب صاحبِ رسالہ **”النکت الظریفة فی ترجیح مذهب أبی حنیفة“** کی ایک دلیل یہ پیش کی گئی کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ خیر القرون میں تھے، لہٰذا وہ دوسرے ائمہ سے افضل ہیں، تو اس کے جواب میں ابن ابی العز حنفی کہتے ہیں کہ مالکی بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے امام (مالک رحمہ اللہ) بھی خیر القرون میں تھے، اور ایسی جگہ پر تھے جہاں وحی اترتی تھی، اور ایسے شہر میں تھے کہ جس کے رہنے والوں کے اجماع کو بعض علماء باقاعدہ دلیل تصور کرتے ہیں، اس کے بعد امام ابن ابی العز کہتے ہیں:

”ومن مثل هذا الاستدلال نشأ الافتراق فی هذه الأمة فإنا لله وإنا إلیه راجعون“ (الاتباع : ۲۸)

”اسی طرح کے طریقہ استدلال سے امت میں فرقہ بندی پیدا ہوئی، سو اس پر جس قدر اظہار افسوس کیا جائے، کم ہے“

اور تقلید اور مذہبی تعصب کے بھیانک نتائج بیان کرتے ہوئے سعودی عالم دین دکتور مانع جہنی لکھتے ہیں:

”جب تقلید اور مذہبی تعصب قرونِ معضلہ کے بہت بعد امت میں پھیل گیا، تو اس سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا، اور کافر مسلمانوں پر غالب آگئے، اور اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا، اور علماء کی آراء کو کتاب وسنت پر فوقیت دی جانے لگی، اور کہا گیا کہ کتاب وسنت سے براہِ راست استفادہ کرنا ناممکن ہے، سو ایک مذہب کے لئے غلبہ حاصل کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں، اور دوسرے مذاہب سے براءت کا اعلان کردیا گیا اور دوستی اور دشمنی اپنے فقہی مذہب کی بنیاد پر کی گئی“ (**الموسوعة المیسرة فی الأدیان والمذاهب : ج۱ص۲۴۳**)

اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ تقلید اور مذہبی تعصب کی وجہ سے احناف اور شافعیہ نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز کو باطل قرار دیا ہے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور آپس میں مناکحت کو حرام قرار دے دیا ہے، بلکہ اس سے بھی آگے چلے گئے اور اصفہان اور ’الری‘ میں خون کی نہریں بہادیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: معجم البلدان ۱/۲۷۳، ۴/۳۵۵

اور یہ بات کون نہیں جانتا کہ ترکوں کے دور خلافت میں حرم مکی میں چاروں مسالک

کے الگ الگ مصلیٰ ہوا کرتے تھے ایک ہی مسجد میں ہر نماز کی چار جماعتیں ہوتی تھیں؟ کیا یہ سب کچھ مذہبی فرقہ پرستی کا نتیجہ نہیں تھا؟ اس لئے ہم تمام مقلدین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تقلیدی جمود کو توڑ کر (اتباع) کتاب وسنت کا راستہ اپنائیں تاکہ اتحادِ امت کے لئے راستہ ہموار ہو سکے، ورنہ جب تک یہ تقلیدی جمود باقی ہے اس وقت تک افتراقِ امت جیسی لعنت کے بادل امتِ مسلمہ پر چھائے رہیں گے۔

مقلدین سے مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کے پچاس سوالات

مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ نے مقلدین سے پچاس سوالات کئے تھے، جو کہ ''ضربِ محمدی'' کے نام سے ایک رسالے میں چھپوائے گئے تھے، ہماری معلومات کے مطابق مقلدین میں سے کسی نے آج تک ان سوالوں کے جوابات نہیں دیئے، ہم یہاں پر ان کے چند سوالات درج کر رہے ہیں:

۱۔ کیا تقلیدِ شخصی آنحضرت ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں تھی؟

۲۔ خود چاروں ائمہ رحمہم اللہ نے اس تقلید کے متعلق کیا فرمایا ہے؟

۳۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ اور کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟ کیا تقلیدِ شخصی پر اجماع ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے تو کب؟ کہاں؟ اور کن کا؟

۴۔ مجتہد کسے کہتے ہیں؟ اور کیا ہر مجتہد کی تقلید فرض ہوتی ہے؟ اور کیا چودہ سو سال میں صرف چار مجتہد ہی ہوئے ہیں؟ کیا صحابہ کرام وتابعین مجتہد نہ تھے؟ اور ان چار مجتہدین میں سے ایک کی تقلید کس ترجیح کی بناء پر ہے؟

۵۔ ان چار ائمہ نے کیسے تعلیم پائی؟ بذریعہ وحی یا دیگر ائمہ سے؟ اگر دیگر ائمہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تو کیا ان کے اساتذہ ان سے افضل تھے یا مفضول؟ اگر افضل تھے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

۶۔ چاروں ائمہ افضل ہیں یا چاروں خلفائے راشدین؟ اگر خلفائے راشدین افضل ہیں تو پھر ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

۷۔ اگر چار میں سے ایک امام کی تقلید کرنی ہے تو ہمیں کیا خبر کہ ان میں سے کس کے مسائل صحیح ہیں؟ اور کس کے غلط؟ اور اگر یہ چاروں مذہب برحق ہیں تو ایک مذہب پر عمل کرنے سے حق کے تین حصے ہم سے چھوٹ جاتے ہیں؟

۸۔ جب تک یہ ائمہ امامت کی حیثیت سے دنیا میں آئے اس وقت تک اسلام پر سو سال گزر چکے تھے، تو ان کی عدم موجودگی میں لوگ پورے مسلمان تھے یا ادھورے؟ اگر کامل مسلمان تھے تو کیا ان کا طریقہ کار ہمارے لئے کافی نہیں؟

۹۔ چوتھی صدی میں مسلمان بجائے ایک راہ کے چار راستوں پر بٹ گئے، اور اللہ کے گھر بیت اللہ کے بھی چار ٹکڑے کرنے پر مجبور ہو گئے، کیا قرآن وحدیث میں ان مصلّوں، ان مذہبوں اور ان اماموں کے ناموں کا ذکر ہے؟

۱۰۔ امام حسین رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، امام باقر رحمہ اللہ، اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ چاروں ائمہ سے افضل ہیں یا چار امام ان سے افضل ہیں؟ آلِ رسول ﷺ کے ان ائمہ کے مقلد کو تو ہم شیعہ رافضی کہیں اور ان سے کم درجے کے ائمہ کی تقلید کو ہم فرض مانیں، اس تفریق کی وجہ کیا ہے؟

۱۱۔ کیا اب کوئی شخص خلفائے راشدین میں سے کسی ایک کی تقلید کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو امام کی تقلید تو ہو گئی؟ اور اگر نہیں کر سکتا تو پھر امام کی بھی نہیں ہونی چاہیے؟

۱۲۔ اگر چاروں خلفائے راشدین کی تقلید اب منع ہے تو کیوں اور کس نے منع کیا؟ اور چاروں ائمہ کی تقلید کیوں اور کس نے باقی رکھی؟

۱۳۔ کیا فقہ کی موجودہ کتابوں میں کوئی ایک بھی ایسی ہے جسے امام ابوحنیفہؒ نے خود لکھا ہو؟ اور ان میں جو خلافِ تہذیب مسائل ہیں کیا وہ فی الواقع امام ابوحنیفہؒ کے ہیں؟

۱۴۔ تقلیدِ شخصی کے متعلق قرآن وحدیث میں کیا حکم ہے؟ اگر تقلید کا حکم ہے تو آیت اور حدیث صاف صاف لکھ دیجئے جس میں یہ ہو کہ فلاں امام کی تقلید تم پر فرض ہے، اور جو نہ کرے وہ لامذہب ہے

۱۵۔ اگر چاروں ائمہ اپنے تئیں یہ کوشش کرتے رہے ہیں کہ مسائل قرآن وحدیث سے لیں تو ایسا ہم کیوں نہیں کر سکتے؟

اختصار کے پیشِ نظر ہم انہی سوالات پر اکتفاء کرتے ہیں، اور آخر میں ایک سوال ہمارا بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چاروں ائمہ میں سے کسی کی تقلید کریں

گے؟اور چاروں میں سے کس کی فقہ کو نافذ کریں گے اور کس کی تبلیغ کریں گے؟ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور تقلید

''کتاب التوحید''امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ہے،اس کے ابواب میں سے ایک باب ان الفاظ میں ہے:

''باب من أطاع العلماء والأمراء فی تحریم ما أحل الله أو تحلیل ما حرم الله فقداتخذ هم أربابامن دون الله ''

''اس بات کا بیان کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کردیا ہے اسے حرام قرار دینے میں یا جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے حلال قرار دینے میں جس نے علماء وامراء کی اطاعت کی ،اس نے گویا انہیں اللہ کے سوا رب قرار دیا''

اس باب کے تحت امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ذکر کیا ہے:

''یوشک أن تنزل علیکم حجارة من السماء ،أقول :قال رسول الله ﷺ،وتقولون :قال أبوبکر وعمر ''؟

''بہت قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسنا شروع ہوجائیں ،میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،اورتم اس کے مقابلے میں کہتے ہو:ابوبکر وعمر نے فرمایا''

پھرامام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں:

''عجبت لقوم عرفوا الاسناد وصحته ویذهبو ن الیٰ رأی سفیان''

''مجھے تعجب ہے اس قوم پر جسے حدیث کی سند اور اس کی صحت معلوم ہے، اور اس کے باوجود بھی وہ سفیان کی رائے کی طرف جاتے ہیں''

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا کتاب التوحید میں قائم کردہ یہ باب اور اس کے تحت مذکورہ آثار سے ان کا تقلید کے بارے میں موقف بالکل واضح ہے ،جس کا خلاصہ درج ذیل نکات میں کیا جاسکتا ہے:

۱۔علماء کو تحلیل وتحریم کا اختیار دینا انہیں رب ماننے کے مترادف ہے

۲۔رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں ائمہ اور علماء تو کجا،ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی آراء کی بھی کوئی اہمیت نہیں ۔

۳۔صحیح حدیث معلوم کر لینے کے بعد ائمہ کی آراء سے چمٹے رہنا حیران کن ہے

امام احمد رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی شرح کرتے ہوئے امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے پوتے شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ برائی عام ہوچکی ہے،خصوصا ان لوگوں میں جو اہل علم کہلاتے ہیں ،انہوں نے کتاب وسنت کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے روک رہے ہیں ،چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ کتاب وسنت سے صرف مجتہد ہی دلیل لے سکتا ہے ،اور اب اجتہاد کا دروازہ بند ہے ، نیز یہ کہتے ہیں کہ جس کی ہم تقلید کرتے ہیں وہ آپ سے بڑا عالم بالحدیث تھا،تو اس طرح کی باتوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کی جائے جو کہ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں تھے، اور اس شخص کی بات پر مکمل اعتماد کیا جائے جو غلطی بھی کرسکتا ہے ......سو ہر مکلّف پر واجب ہے کہ اسے جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے کوئی دلیل مل جائے اور اسے اس کا معنی بھی سمجھ میں آجائے تو وہ اس پر عمل کر گزرے ،خواہ اس پر کسی عالم یا امام نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو،اور اس بات پر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے'' (فتح المجید صفحہ نمبر ۳۳۹۔۳۴۰)

اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے دوسرے پوتے شیخ سلیمان بن عبداللہ آل شیخ رحمہ اللہ کتاب التوحید کے اسی باب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بلکہ ہر مؤمن پر فرض ہے کہ اسے جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی حکم معلوم ہو تو وہ اس پر عمل کرے ،خواہ اس کی کسی بھی امام نے مخالفت کی ہو، کیونکہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسی بات کا حکم دیا ہے ،اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہے،سوائے جاہل اور خشک مقلدین کے کہ جن کے نزدیک ہدایت یافتہ شخص وہ ہے جو سنت رسول ﷺ سے اعراض کرتے ہوئے کسی فقہی مذہب یا کسی عالم پر اعتماد کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے،فرمایا:''وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا'' یعنی اگر تم نے اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کی تو تم ہدایت یافتہ ہوگے،اور افسوس اس بات پر ہے کہ اس حرام تقلید میں آج بہت ساری خلقت مبتلا ہے ،اور ایسے لوگ بھی اسی تقلید کا شکار ہو چکے

ہیں جو علم ومعرفت کا دعوی کرتے ہیں اور علم حدیث وسنن میں بڑی بڑی کتابیں لکھ
ڈالتے ہیں ،اور اس کے ساتھ ساتھ تقلیدی جمود سے آزاد ہونے کو کبیرہ گناہ تصور
کرتے ہیں“ (دیکھئے:تیسیر العزیز الحمید، ص۵۴۶۔۵۴۷)

اور امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ کے مسلک کے متعلق سعودی عالم دین الدکتور مانع
بن حماد الجہنی کی شہادت ملاحظہ فرمایئے :

**”کان الشیخ محمد بن عبد الوهاب حنبلی المذهب فی دراسته لکنه
لم یکن یلتزم ذلک فی فتاواه إذا ترجح لدیه الدلیل فیما یخالفه وعلیه
فإن دعوته اتسمت باتباع الدلیل وفق فهم السلف الصالحین“
(الموسوعة المیسرة فی الأدیان والمذاهب والأحزاب المعاصرة:
ج ۱، ص ۱۶۷، طبع سوم)**

”شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اپنی بحث وتحقیق میں حنبلی المذہب تھے ،لیکن وہ
اپنے فتووں میں اس کی پابندی نہیں کرتے تھے جب کہ دلیل اس کے مخالف ہوتی ،اس
طرح آپ کی دعوت کی خاص بات سلف صالحین کی سمجھ کی روشنی میں اتباع دلیل ہے“

مسئلہ تقلید اور سعودی علماء

سعودی عرب کے علماء ومشائخ سلفی مسلک کے حامل ہیں ،اور اسی کی طرف وہ تمام
لوگوں کو دعوت دیتے ہیں ،فروع اور اختلافی مسائل میں دلیل کی پیروی یعنی اتباع کرنا ان کا
مسلک ہے ،نہ کہ اندھی تقلید کرنا ،دلیل کے سامنے ،خواہ وہ حنبلی مذہب کے موافق ہو یا مخالف
،سر تسلیم خم کردینا ان کا شیوہ ہے ،چنانچہ سعودی علماء کے فتاوی اور رسائل پڑھ کے دیکھ لیجئے،
ان میں ایک چیز انتہائی واضح طور پر نظر آتی ہے کہ یہ علماء ہر مسئلے میں سب سے پہلے قرآنی
آیت ،پھر حدیث نبوی اور پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کرتے ہیں ،اور اگر کسی مسئلہ میں
انہیں یہ تینوں دلائل نہ ملیں تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کی آراء ذکر کرتے ہیں ،اور
ان میں جو **أقرب إلی الدلیل** ہو اسے ترجیح دیتے ہیں۔اب اس سے پہلے کہ ہم تقلید سے
متعلق سعودی علماء کا موقف بیان کریں، ان کے بارے میں خود ایک سعودی عالم الشیخ
عبدالمحسن العباد کی شہادت پڑھ لیجئے جو عرصۂ دراز سے مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے ہیں
اور سعودیہ کے بڑے بڑے مشائخ کے شاگرد ہیں۔انہوں نے یوسف ہاشم الرفاعی کے ایک
مضمون کے جواب میں ایک مقالہ تحریر فرمایا جو کہ ”الفرقان“ (الکویت) میں قسط وار چھپ رہا
ہے،الرفاعی کے ایک اعتراض کے جواب میں شیخ العباد لکھتے ہیں:

**”وعلی هذا فهم لم یتخلوا عن المذهب الحنبلی، ولکنهم تخلوا عن
التعصب له، وإذا وجد الدلیل الصحیح علی خلاف المذهب صاروا إلی
ما دلّ علیه الدلیل“**

”یعنی علماء نجد نے حنبلی مذہب کو نہیں، اس کے لئے تعصب کو خیر باد کہہ دیا ہے اور
جب صحیح دلیل مذہب حنبلی کے خلاف ہو تو وہ دلیل پر عمل کرتے ہیں“ (دیکھئے
”الفرقان“ جولائی ۲۰۰۰ء)

اب آیئے !سعودی علماء کا تقلید کے متعلق موقف معلوم کریں:

۱۔شیخ ابن باز رحمہ اللہ:

شیخ ابن باز رحمہ اللہ ،جن کا مئی ۹۹ میں انتقال ہوا ہے ،کسی تعارف کے محتاج نہیں،
موصوف عالم اسلام کی معروف شخصیت تھے ،علم وعمل ،تقوی وپرہیزگاری اور بصیرت کے پہاڑ
تھے، پوری زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزار گئے ،زندگی میں انہیں جو عزت واحترام ملا وہ
بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ،انتقال فرمایا تو بیس لاکھ کے قریب افراد نے حرم مکی میں ان کی
نماز جنازہ میں شرکت کی ،اللہ رب العزت انہیں غریق رحمت فرمائے

موصوف اپنے متعلق خود فرماتے ہیں :

**”مذهبي في الفقه هو مذهب الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله،
ولیس علی سبیل التقلید ولکن علی سبیل الاتباع .....أما في مسائل
الخلاف فمنهجي فیها هو ترجیح ما یقتضي الدلیل ترجیحه ، والفتوی
بذلک، سواء وافق مذهب الحنابلة أم خالفه ،لأن الحق أحق بالاتباع“
(فتاوی المرأة المسلمة ۱۴/۱)**

”فقہ میں میرا مذہب امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے ، بر سبیل تقلید نہیں، بلکہ بر سبیل
اتباع .....اور اختلافی مسائل میں میرا طریق یہ ہے کہ میں دلیل کے مطابق ترجیح دیتا
ہوں ،اور اسی طرح فتویٰ بھی صادر کرتا ہوں ،خواہ دلیل حنبلی مذہب کے موفق ہو یا
مخالف، کیونکہ حق پیروی کا زیادہ حقدار ہے“

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے یہ الفاظ ”**لیس علی سبیل التقلید ولکن علی سبیل
الاتباع** “ سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں ،اور پھر ان کا یہ کہنا کہ اختلافی مسائل

میں وہ حنبلی مسلک کی پابندی نہیں کرتے بلکہ دلیل کے مطابق ترجیح دیتے ہیں، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ فقہ میں امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف نسبت کرنے کے باوجود حنبلی فقہ کی اندھی تقلید نہیں کرتے، بلکہ تقاضائے دلیل کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے ہیں، اور اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں یہاں صرف ایک مثال ان کے اس مؤقف کی تصدیق کے لئے پیش کرتے ہیں:

شیخ سے سوال کیا گیا کہ کیا جمعہ قائم کرنے کے لئے چالیس ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جن پر نماز فرض ہو؟ شیخ صاحب نے جواباً فرمایا:

''اہل علم کی ایک جماعت اس شرط کی قائل ہے کہ نماز جمعہ کی اقامت کے لئے چالیس آدمی ہونے چاہئیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں، لیکن راجح تر قول تو یہی ہے کہ چالیس سے کم افراد کے لئے جمعہ کی اقامت جائز ہے ....کیونکہ چالیس آدمیوں کی شرط کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اور جس حدیث میں چالیس آدمیوں کی شرط آئی ہے وہ ضعیف ہے'' **فتاویٰ سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز ص ۷۴)نیز(مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعة ص ۱۲/۳۲۷)**

کیا اس دور کے احناف مقلدین میں سے کوئی ہے جو شیخ ابن باز رحمہ اللہ جیسی اس جرأت کا مظاہرہ کرے اور جب صحیح دلیل حنفی مسلک کے مخالف ہو تو اس کی تاویل کرنے یا اس کے مقابلے میں دوسری ضعیف دلیل لانے کی بجائے، اس صحیح دلیل کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے اور حنفی مسلک کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو اس کے برعکس یہ دیکھا ہے کہ احناف مقلدین صحیح دلیل معلوم کرنے کے باوجود اپنے مذہب کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے، آیئے آپ بھی دو مثالیں ملاحظہ کرلیں:

۱. الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسألة، ونحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة (تقرير ترمذی، ص ۳۹)

ترجمہ: ''حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شافعی مسلک کو ترجیح ہے، لیکن ہم مقلد ہیں، ہم پر واجب ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کی تقلید کریں''

۲۔ ابن نجیم الحنفی کہتے ہیں:

''نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف في مسألة السب، لكن إتباعنا للمذهب واجب'' (البحر الرائق: ۵/۱۲۵)

ترجمہ: ''مؤمن کا دل قولِ مخالف کی طرف مائل ہوتا ہے گالی کے مسئلے میں، لیکن حنفی مذہب کی اتباع واجب ہے''

شیخ ابن باز رحمہ اللہ ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

'' كل قول يخالف الأدلة الشرعية يجب أن يطرح ولا يعول عليه لقول الله عز وجل ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ وقوله ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ﴾ ''(فتاوى مهمّة تتعلق بالصلاة ص ۵۸)

ترجمہ: ہر ایسا قول جو شرعی دلائل سے ٹکراتا ہو، اسے ٹھکرا دینا واجب ہے، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ، اگر تمھیں اللہ اور آخرت کے دن پر یقین ہے. یہ بہت بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے اور فرمایا: ''اور جس جس چیز میں تمھارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالی ہی کی طرف ہے''

شیخ ابن بازؒ نے **''وجوب العمل بسنة الرسول ﷺ وكفر من أنكرها''** کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے، جس میں ایک جگہ پر وہ لکھتے ہیں:

''اور جب حج تمتع کے مسئلے میں کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ دلیل دی کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما حج افراد کے قائل ہیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عین ممکن ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسنا شروع ہوجائیں، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے یوں فرمایا ہے''

اس کے بعد شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فإذا كان من خالف السنة لقول أبي بكر وعمر تخشى عليه العقوبة فكيف بحال من خالفها لقول من دونهما، أو لمجرد رأيه واجتهاده (مجموع فتاوى ومقالات متنوعة: ص ۹۹)

''اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے قول کی بنا پر سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہوسکتا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوتا جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے کم تر کسی اور کے قول یا اس کے مذہب یا اس کے اجتہاد کی بناء پر سنت

نبویہ کی مخالفت کرتا ہو؟"

شیخ رحمہ اللہ کا یہ فرمان بھی بالکل واضح ہے کہ ان کے نزدیک کسی کے ایسے مذہب یا اجتہاد کی کوئی اہمیت نہیں جو سنت رسول ﷺ سے ٹکراتا ہو، چاہے وہ اجتہاد کسی امام کا ہو یا کسی بزرگ کا۔

تو سعودی علماء و مشائخ کو اپنا ہم نوا بنانے والے احناف مقلدین کو سوچنا چاہئے کہ سعودی علماء تو اندھی تقلید کے قطعاً قائل نہیں اور جب شرعی دلیل حنبلی مذہب کے خلاف ہو تو وہ شرعی دلیل ہی کو فوقیت دیتے ہیں، اور ہر ایسے مذہب کو ٹھکرا دیتے ہیں جو سنتِ رسول ﷺ سے ٹکراتا ہو، جبکہ احناف مقلدین کا رویہ اس کے بالکل برعکس ہے، چنانچہ حنفی مسلک کے مخالف دلائل کے ساتھ وہ جو انتہائی غیر منصفانہ سلوک کرتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، لہذا سعودی علماء کے مسلک کو حنفی مسلک کے مماثل قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

(۲) الشیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ

موصوف الشیخ عبد الرحمٰن السعدی رحمہ اللہ اور الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اس وقت قصیم میں کلیۃ الشریعہ واصول الدین میں استاذ ہیں اور متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں اور اہل علم میں بہت بڑا مقام رکھتے ہیں، فتویٰ میں الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے بعد ان کا نمبر آتا ہے، اسی لئے موصوف چوبیس گھنٹے طالب علموں اور مشائخ کے گھیرے میں رہتے ہیں۔ موصوف کا تقلید کے متعلق کیا موقف ہے، آیئے ان کا یہ فتویٰ ملاحظہ کریں:

ان سے سوال کیا گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب پڑھانے والے مدرس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو الشیخ ابن عثیمین نے فرمایا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ان چار مذاہب میں سے ہے جو مشہور ہیں اور ان کی پیروی کی جاتی ہے، لیکن یہ بات جان لینی چاہیے کہ حق انہیں چار مذاہب میں منحصر نہیں، بلکہ حق کسی اور مذہب میں بھی ہو سکتا ہے، اور انہی چاروں ائمہ کا کسی مسئلہ میں اتفاق پوری امت کا اجماع قرار نہیں پا سکتا، اور خود ان ائمہ کو اپنا مقام و مرتبہ معلوم تھا، اور انہیں اس بات پر یقین تھا کہ ان کی اطاعت اسی مسئلے میں ہو سکتی ہے جو سنت رسول ﷺ کے موافق ہو، اسی لئے وہ اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے، الا یہ کہ ان کا مذہب سنت کے موافق ہو"

اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں:

"ولا ريب أن مذهب الإمام أبى حنيفة ومذهب الإمام أحمد ومذهب الإمام الشافعي ومذهب الإمام مالک وغيرهم من أهل العلم قابلة أن تكون خطأ وصوابا فإن كل أحد يؤخذ من قوله ويترک إلا رسول الله ﷺ، وعلى هذا فإنه لاحرج عليه أن يفقه تلامذته على مذهب الإمام أبى حنيفة ،بشرط إذا تبين له الدليل بخلافه تبع الدليل وتركه، ووضح لطلبته إن هذا هو الحق وإن هذا هو الواجب عليهم"

(مجموع فتاوى ورسائل الشيخ ابن عثيمين ۱/۲۸)

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام الشافعی، امام مالک رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم کا مذہب غلط بھی ہو سکتا ہے اور درست بھی، اور ہر ایک کے قول کو لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے، کہ ان کا ہر فرمان واجب الاتباع ہے، لہذا اس مدرس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پڑھائے، لیکن شرط یہ ہے کہ جب اسے اس کے خلاف دلیل مل جائے تو وہ اسی کی پیروی کرے اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کو چھوڑ دے، اور اپنے طالب علموں کو بتائے کہ دلیل ہی حق ہے، اور ان کے لئے بھی یہی لازم ہے کہ وہ ایسی صورتحال میں صرف دلیل پر عمل کریں اور جب دونوں کا آپس میں ٹکراؤ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک چھوڑ دیں"

تو رنگونی صاحب بتائیں کہ کیا وہ اور دیگر احناف مقلدین اپنے اپنے مدارس میں اپنے شاگردوں کو سعودی عالم دین الشیخ ابن عثیمین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حنفی فقہ پڑھاتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن اس کے لئے عملی دلیل مطلوب ہے اور اگر جواب نہیں میں ہے تو ان کے اس دعوے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے کہ احناف مقلدین کا مسلک سعودی عرب کے علماء ومشائخ کے مسلک کے مماثل ہے؟ جبکہ ہم نے معاملہ اس کے برعکس دیکھا ہے، کیونکہ دیوبندی مدارس میں آج بھی ابتدائی چار پانچ سال کے دوران طالب علموں کو حنفی فقہ پڑھائی بلکہ اسی کے مطابق ان کی ذہن سازی کی جاتی ہے اور آخری سال دورہ حدیث تبرکاً کرا دیا جاتا ہے، اور ایک ہی سال میں صحاح ستہ اور کئی اور حدیث کی کتب قراءۃً پڑھا دی جاتی ہیں، اور اس دوران جب حنفی مسلک سے ٹکرانے والی احادیث سامنے آتی ہیں تو ان پر لمبی لمبی تقریریں لکھوائی جاتی ہیں، اور صحیح احادیث کی ناجائز

تاویلیں کر کے یا ان کے مقابلے میں کمزور قسم کی حدیثیں ذکر کر کے انہیں ٹھکرادیا جاتا ہے،
نسأل الله العفو والعافية

قارئین کرام! تقلید کے متعلق سعودی عرب کے ان علماء کا موقف معلوم کر لینے کے بعد آپ خود فیصلہ کریں کہ حنفی دیوبندی مسلک کی اس سے کیا وجہِ مماثلت باقی رہ جاتی ہے؟

۱۔ حنفی مقلدین، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حنفی علماء کی اندھی تقلید کرتے ہیں، جب کہ سعودی علماء ایسا نہیں کرتے۔

۲۔ احناف مقلدین کو جب حنفی مسلک کے خلاف کوئی صحیح دلیل معلوم ہوتی ہے تو اسے منسوخ تصور کر لیتے ہیں، یا اس کی غیر معتبر تاویل کر لیتے ہیں، یا اس کے مقابلے میں کمزور دلیل کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ سعودی علماء قطعاً ایسا نہیں کرتے اور دلیل کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیتے ہیں۔

۳۔ احناف مقلدین مذاہب اربعہ میں حق کو منحصر سمجھتے ہیں، وہ بھی اگر کوئی منصف مقلد ہو تو، ورنہ ان کے نزدیک فقہ حنفی ہی حق ہے اور باقی سب کچھ باطل، جبکہ سعودی علماء کا موقف اس کے برعکس ہے، اور ان کے نزدیک حق مذاہب اربعہ سے باہر بھی ہوسکتا ہے۔

۴۔ سعودی علماء کا ایک وسیع حلقۂ دروس ہے، جن میں وہ اپنے شاگردوں کو براہ راست حدیث کی کتب پڑھاتے ہیں، اور اگر فقہ کی کتابیں پڑھاتے بھی ہیں تو اتباع دلیل کی پابندی کرتے ہوئے قطع نظر اس کے کہ دلیل حنبلی فقہ کے موافق ہے یا مخالف، جب کہ دیوبندی مقلدین ایسا ہرگز نہیں کرتے۔

ان وجوہات کی بناء پر ہم رنگونی صاحب اور دیگر مقلدین کو مشورہ دیتے ہی کہ وہ سعودی علماء کے مسلک سے مماثلت کا دعوی نہ کریں، اور اگر انہیں اس کا شوق ہے تو پھر کھوکھلے دعووں کی بجائے عملی طور پر سعودی علماء کا انداز اپنائیں، ان کا منہج اختیار کریں۔

اور پُر تعصب تقلید کے بندھن سے اپنے آپ کو آزاد کریں۔

رنگونی صاحب تقلید پر بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”غیر مقلدین کے نزدیک جس طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید میں احناف مجرم ہیں اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کے جرم میں سعودی عرب کے ائمہ ومشائخ بھی بہت بڑے گناہگار ہیں“

ایک بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیئے کہ ہمارے ہاں برصغیر پاک و ہند میں تقلید کا جو انداز ہے کہ حنفی مسلک کے خلاف کوئی بات گوارا ہی نہیں کی جاتی اور اسے برحق ثابت کرنے کی اس طرح سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے کہ گویا وہ آسمانی وحی ہے، تو یہ انداز سعودی عرب میں خصوصا اور باقی عرب ممالک میں عموماً نہیں پایا جاتا، برصغیر کے مقلدین کو اہلحدیثوں کو نیچا دکھانے کے لئے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں تحریف تک سے گریز نہیں کرتے، تو ایسی اندھی تقلید کو ہم یقینی طور پر ایک جرم تصور کرتے ہیں، کیونکہ شریعت نے ہمیں کسی امام کی پیروی کرنے کا پابند نہیں کیا، بلکہ صرف اور صرف دلیل شرعی کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے، چاہے وہ دلیل کسی امام کے مسلک کے موافق ہو یا مخالف، اور جب سعودی عرب کے علماء کے متعلق یہ معلوم ہو چکا کہ وہ ایسی اندھی تقلید کے ہرگز قائل نہیں، اور ان کا مسلک اتباع دلیل ہے تو ہمارے نزدیک ان کا یہ عمل جرم نہیں، بلکہ بالکل درست ہے، اور ہم اپنے احناف بھائیوں کو بھی اسی بات کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی اتباع دلیل کا طریقہ کار اختیار کر لیں اور تعصب مذہبی کو خیر باد کہہ دیں۔

۳۔ شیخ بکر ابوزید حفظہ اللہ

موصوف سعودی عرب میں کبار علماء پر مشتمل جو فتوئی کمیٹی ہے اس کے مستقل رکن ہیں اور بیسیوں کتابوں کے مؤلف ہیں جو کہ فصاحت بیان اور قوتِ علم کے اعتبار سے اہلِ علم میں ایک اونچا مقام رکھتی ہیں، دینی علوم میں انتہائی گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور کسی مسئلے پر بحث کرتے ہیں تو معلومات کا ڈھیر لگا دیتے ہیں، انہوں نے فرقہ پرستی اور دینی جماعتوں کے متعلق بھی ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے **”حكم الانتماء إلى الفرق والأحزاب والجماعات الاسلامية“** اس کے صفحہ نمبر ۳۳ پر رقمطراز ہیں:

”اور میں نے تمام دینی نسبتوں میں غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ سب کی سب رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کافی تاخیر سے وجود میں آئیں، چاہے یہ نسبتیں سیاسی تھیں اور انہوں نے دین کا لبادہ اوڑھ لیا مثلاً خوارج، شیعہ، قدریہ اور مرجئہ، یا عقائدی تھیں مثلاً معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ، یا سلوکی تھیں مثلاً صوفیائے کرام اور ان کے تمام گروہ یا فروع میں تعصب کرنے والی

تھیں،مثلاً حنفیہ، مالکیہ ،شافعیہ،حنبلیہ اورظاہریہ''

پھران متعصب فرقوں کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اورغلطی ائمہ اربعہ کی نہیں،وہ تو اس سے بری ہیں اوران میں سے ہرایک نے اپنی تقلید کرنے سے منع کیا ہے اور جب ان کی رائے حدیث سے ٹکراتی ہوتو انہوں نے حدیث پرعمل کرنے کا حکم دیا ہے۔تو ائمہ اربعہ اوران سے پہلے اوران کے بعد آنے والے علماء اسلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ،اورایسے علماء پر طعن کرنا واضح گمراہی ہے،لیکن غلطی اس شخص کی ہے جس نے ان میں غلو کیا،اور مذہبی تعصب کا شکار ہوگیا،جس کی وجہ سے فتنے واقع ہوئے،محنتیں ضائع ہوگئیں اور زبان و کلام کی جنگیں چھڑ گئیں، بلکہ معاملہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا اور دین میں وہ چیز داخل کر دی گئی جو اس سے ہے نہیں،مثلاً حنفی اور شافعی کے درمیان مناکحت کو حرام قرار دے دیا گیا،اوران کے پیچھے نماز باطل قرار دے دی گئی، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خونی جنگیں ہوئیں،جیسا کہ احناف اور شافعیہ کے درمیان ''اصفہان'' اور''الری'' میں ہوا اوراس طرح ان فرقوں پرایک سیاہ دھبہ لگ گیا،حالانکہ اسلام ایسے تعصب سے لاتعلق ہے،اورسلفِ امت صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم اس احمقانہ فرقہ پرستی سے بری ہیں''

پھرآگے چل کرلکھتے ہیں:

''ان فرقوں کے پیدا ہونے سے پہلے مسلمانوں کا کوئی اور نام یالقب نہیں تھا، کیونکہ وہ صرف اورصرف اسلام ہی کی نمائندگی کرتے تھے،لیکن جب یہ گمراہ فرقے ظاہر ہوئے،جن پر ''**أهل الأهواء**'' ''**أهل البدع**'' اور **أهل الشبهات**'' کے القاب صادق آتے ہیں،تو چونکہ یہ بھی اسلام ہی کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے،اس لیے مسلمانوں کے چند امتیازی نام اور القاب سامنے آئے تاکہ وہ ان گمراہ فرقوں سے اپنے آپ کوالگ رکھ سکیں اوران کے درمیان فرق ہو سکے،یہ نام اورالقاب یا تو اصولاً شریعت میں ثابت شدہ تھے،مثلاً **الجماعة، جماعت المسلمین،الفرقة الناجية** اور **الطائفة المنصورة** ،یااہل بدعت کے مقابلے میں سنن رسول ﷺ کی پابندی کرنے کی وجہ سے معرض وجود میں آئے ،مثلاً **السلف** ،**أهل الحديث** ،**أهل الاثر** اور **أهل السنة والجماعة**، اور یہ معزز القاب دوسرے تمام فرقوں کے القاب سے کئی وجوہات کی بنا پر مختلف ہیں''

پھر شیخ بکر ابوزید حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان وجوہات کوتفصیل سے ذکر کیا ہے،ہم یہاں پران کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:

۱۔ امتِ مسلمہ جب سے منہاجِ نبوت پرتشکیل پائی ہے،تب سے یہ القاب اس سے الگ نہیں ہوئے ،سو یہ بات سمجھ میں آجانی چاہیئے کہ ان القاب کے حامل لوگ تاریخ کے کسی خاص زمانے میں معرض وجود میں نہیں آئے بلکہ شروع سے چلے آرہے ہیں،اور قیامت تک باقی رہیں گے،اوراہل حدیث ہی طائفہ منصورہ ہیں جس کا ذکراس حدیث نبوی میں آیا ہے ''**لا تزال طائفة من أمتي منصورين على الحق، ولا يضرهم من خالفهم ولا من خذلهم**''

ترجمہ:''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا اورانہیں رسوا کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا''

۲۔ یہ القاب پورے اسلام یعنی کتاب وسنت کا احاطہ کیے ہوئے ہیں،اورکسی ایسے گروہ کے ساتھ خاص نہیں جو کتاب وسنت کی کم یا زیادہ مخالفت کرتا ہو۔

۳۔ ان القاب میں سے کچھ وہ ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور کچھ وہ ہیں جو **اهل الاهواء** اورگمراہ فرقوں کے مقابلے میں سامنے آئے،تا کہ ان کے اوران کے درمیان فرق ہو سکے،تو جب بدعات ظاہر ہوئیں تو انہوں نے''سنت'' کوتھام لیا،اسی لئے **أهل السنة** کہلانے لگے،اور جب ائمہ کی آراء کوفیصل قرار دے دیا گیا تو انہوں نے حدیث واثر کومضبوطی سے پکڑلیا،اوراسی لئے ان کو **أهل الحديث والأثر** کہا جانے لگا۔

۴۔ ان القاب کے حامل لوگ صرف اسلام یعنی کتاب وسنت کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کرتے ہیں،کسی خاص گروہ یانظریئے کی بنیاد پرنہیں۔

۵۔ ان القاب کے حاملین صرف اورصرف رسول اللہ ﷺ کے لئے تعصب کرتے ہیں،کسی امام یاکسی خاص نظریے کے لئے نہیں۔

۶۔ اہل حدیث ہی **أهل السنة والجماعة** ہیں: کیونکہ یہی لوگ ہیں جب بدعت کے مقابلے انہیں **أهل ''السنة''** کہا گیا ہےاورمسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جانے والےفرقوں کے مقابلے میں انہیں ''**أهل السنة والجماعة**'' کہا گیا اور چونکہ یہ لوگ

سنن کا احترام کرتے ہیں اور ابتداع کی بجائے اتباع پر اکٹھے ہوتے ہیں، اور اتباع سنت ہی کی بنیاد پر تمام لوگوں کو اتفاق واتحاد کی دعوت دیتے ہیں، تو "أهل السنة والجماعة" کے لقب کے حقیقی مستحق بھی یہی ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (کتاب حكم الانتماء الى الفرق والأحزاب الجماعات الاسلامية ص ۳۳. ۵۱)

شیخ بکر ابوزید حفظہ اللہ کے مذکورہ اقتباسات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

۱۔ شروع میں مسلمان صرف اسلام کی نمائندگی کرتے تھے اور انکا کوئی اور نام یا لقب نہیں تھا

۲۔ پھر جب بدعات ظاہر ہوئیں، اور انہیں مسلمانوں میں سے کچھ لوگ سیاسی اسباب کی بناء پر اور کچھ فروعی اختلافات کی بناء پر فرقوں میں بٹ گئے، تو وہ لوگ جو اسلام کی صحیح نمائندگی کرتے تھے، ان کے چند القاب مثلاً أهل الحديث، أهل الاثر، السلف، أهل السنة والجماعة سامنے آئے، تا کہ ان میں اور فرقوں میں بٹ جانے والے لوگوں میں فرق ہو سکے۔

۳۔ مذکورہ القاب کے حاملین اصل ہیں، ان کا منہج اتباع سنت ہے اور یہی اجتماع امت کے اصولوں کی پاسداری کرنے والے ہیں، اس لئے انہی کو أهل السنة والجماعة کہا گیا ہے اور آج بھی یہی أهل السنة والجماعة ہیں، اور فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ بھی یہی ہیں۔

۴۔ خود ائمہ اربعہ أهل الحديث اور اهل السنة والجماعة میں سے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے اور اتباع حدیث کا حکم دیا ہے، تو ان کے نام پر معرض وجود میں آنے والے متعصب فرقوں نے خود اپنے ائمہ کے طریق کار کی پاسداری نہیں کی، غلطی انہی فرقوں کی ہے، ائمہ کرام ان سے بری ہیں۔

۵۔ متعصب فرقے بعد کی پیداوار ہیں، ان سے پہلے لوگ اہل حدیث ہی تھے جو مقلد کی بجائے سنت کے پیروکار تھے۔

۴۔ شیخ محمد جمیل زینو حفظہ اللہ

موصوف عرصہ بیس سال سے دار الحديث الخيرية مكة المكرمة میں پڑھا رہے ہیں، ان کی عمر ۷۵ سال ہو چکی ہے، شروع میں نقشبندی، پھر شاذلی اور پھر قادری طریقے پر چلتے رہے، پھر تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک ہو گئے اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دی اور یہ اہل حدیث ہو گئے، ۱۴۰۰ھ سے مکہ مکرمہ میں مدرس ہیں اور اس دوران اصلاح معاشرہ کے لئے بیسیوں اہم کتب لکھ چکے ہیں، جن کے متعدد زبانوں ترجمے بھی کئے گئے ہیں، اور انہیں مفت تقسیم کیا جا رہا ہے، ان کا تقلید کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ آیئے ان کے چند اقتباسات ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

"فأهل الحديث حشرنا الله معهم، لايتعصبون لقول شخص معين مهما علا وسما، حاشا محمدا ﷺ، بخلاف غيرهم ممّن لا ينتمي إلى أهل الحديث والعمل به، فإنهم يتعصبون لأقوال أئمتهم وقد نهوهم عن ذلك، كما يتعصب أهل الحديث لأقوال نبيهم ﷺ، فلا عجب أن يكون أهل الحديث هم الطائفة المنصورة والفرقة الناجية" (مجموع رسائل التوجيهات الإسلامية : ۱/ ۱۶۴)

ترجمہ: "سو اہل حدیث (اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن انہیں کے ساتھ اٹھائے) کسی خاص شخص کے قول کے لئے تعصب نہیں کرتے، چاہے وہ کتنا بڑا امام ہو، سوائے محمد ﷺ کے، جبکہ وہ لوگ جو اہل حدیث کی طرف اپنی نسبت نہیں کرتے، وہ اپنے ائمہ کے اقوال کے لئے تعصب کرتے ہیں، حالانکہ ائمہ نے انہیں اس سے روکا ہے، اور اہل حدیث صرف اپنے نبی ﷺ کے اقوال کے لئے تعصب کرتے ہیں، اس لئے کوئی عجب نہیں کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ یہی اہل حدیث ہوں۔"

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

"كثير من الناس تقول له: قال الله، قال رسوله، فيقول: قال الشيخ! ألم يسمعوا قوله تعالى ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾، أى لا تقدموا قول أحد على قول الله ورسوله، وقال ابن عباس: يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء، أقول لكم: قال رسول الله ﷺ، وتقولون: قال أبوبكر وعمر! (مجموعة رسائل

التوجیهات الإسلامیة : ۱/۲۳۷)

"بہت سارے لوگوں سے آپ جب کہتے ہیں: اللہ نے یوں فرمایا، اس کے رسول ﷺ نے یوں فرمایا، تو اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں: شیخ (مولانا) نے یوں فرمایا ہے، تو کیا انہوں نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو" یعنی کسی کے قول کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اقوال پر فوقیت نہ دو، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عین ممکن ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسنا شروع ہو جائیں، میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے یوں کہا ہے"

شیخ محمد جمیل زینو کا ایک اور اقتباس بھی ملاحظہ کر لیجیے:

"ونحن لم نؤمر إلا باتباع القرآن المنزل من عند الله، وقد شرحه لنا رسول الله ﷺ بأحاديثه الصحيحة، لقوله تعالى: ﴿اتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ فلا يجوز لمسلم سمع حديثا صحيحا أن يرده لأنه مخالف لمذهبه، فقد أجمع الأئمة على الأخذ بالحديث الصحيح، وترك كل قول يخالفه" (مجموع رسائل التوجیهات الاسلامیة : ۱/۱۳۵)

"ہمیں صرف قرآن کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے اترا ہوا ہے اور اس کی تفسیر رسول اکرم ﷺ نے اپنی صحیح احادیث کے ذریعے فرمادی ہے، فرمان الہی ہے: ترجمہ: تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے جو کچھ اتارا گیا ہے، اسی کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر اولیاء کی پیروی نہ کرو، تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ صحیح حدیث کو سن لے، پھر اسے اس لئے رد کردے کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ خود ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور اس سے ٹکرانے والا ہر قول ومذہب چھوڑ دیا جائے"

۵۔ شیخ سعود الشریم، امام وخطیب مسجدِ حرام

موصوف خانہ کعبہ المسجد الحرام کے امام وخطیب ہیں، اور مکہ مکرمہ میں ایک اعلیٰ عدالت کے جج ہیں، ان کے خطبوں کے تین مجموعے کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں، دوسرا مجموعہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، ان کا مسلک بتانے کے لئے اس مجموعے سے کچھ اقتباسات پیش کرنے سے پہلے ایک وضاحت کرنا ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ رنگونی صاحب نے اپنی اس کتاب کے ذریعے بریلویوں کو پیغام دیا ہے کہ وہ ائمہ حرمین شریفین کے متعلق بدگمانی کا شکار نہ ہوں کیونکہ ان کا مسلک رنگونی صاحب کے نزدیک اہل حدیثوں کے مسلک سے بالکل الگ ہے اور دونوں میں کوئی مماثلت نہیں ہے!! حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ حرمین شریفین کے تمام ائمہ کرام اہلحدیث سلفی ہیں، ہم اس کا ثبوت شیخ سعود الشریم کے مجموعۂ خطبات سے پیش کریں گے جبکہ رنگونی صاحب نے اپنے موقف کا ائمہ حرمین سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا، اور نہ وہ کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں اور اس کے ذریعے وہ محض پروپیگنڈہ کرنا چاہتے ہیں تو آیئے ائمہ حرمین کا مسلک معلوم کریں......

شیخ سعود الشریم فرماتے ہیں:

"وأهل السنة والجماعة، الفرقة الناجية والطائفة المنصورة، استقر كتاب الله، وسنة رسوله ﷺ في سويداء قلوبهم فمراد الله ومراد رسوله ﷺ عندهم قد خلدا بهذين الوحيين، فلا تعقيب لأحد بعد الله ورسوله"

"اور اہل السنۃ والجماعت، جو فرقۂ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہیں، کے دلوں کی گہرائیوں میں قرآن وسنت قرار پا چکے ہیں، اس لیے وہ ہمیشہ فرمان الہی اور فرمان رسول اللہ ﷺ کو انہیں دونوں وحیوں (قرآن وسنت) سے ہی حاصل کرتے ہیں، لہٰذا اللہ کے فرمان اور حدیثِ نبوی ﷺ کے بعد رائے زنی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں"

اور اپنے اسی خطبے کے شروع میں فرماتے ہیں:

"فاعلموا أيها الناس! إن الدين الاسلامي كغيره من الشرائع السماوية التي أرسل الله الرسل من أجلها، دين مبني على الاتباع والاقتداء والتأسي، ولا يصير الدين دينا إلا إذا كان الخضوع فيه للحق سبحانه، حيث أنه لا يفهم دين بلا خضوع ولا اتباع"

"لوگو جان لو کہ دینِ اسلام دوسرے آسمانی دینوں کی طرح، جن کی وجہ سے اللہ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا، ایسا دین ہے جو محض اتباع اور (اسوہ حسنہ) کی پیروی پر مبنی ہے، اور کوئی دین اس وقت تک دین نہیں ہوتا جب تک صرف اللہ کے سامنے اپنے آپ کو جھکا نہ دیا جائے، سو دین صرف اللہ کے سامنے جھکنے اور اتباع کا نام ہے"

ان دو اقتباسات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ **أهل السنة والجماعة** کے دلوں میں صرف قرآن وسنت بستے ہیں، کوئی تیسری چیز جو قرآن وسنت سے ٹکراتی ہو، اسکی **أهل السنة والجماعة** کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں.

۲۔ فرمان الٰہی اور فرمان نبوی کے بعد کسی کی ذاتی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور نہ ہی اس کی گنجائش دین میں چھوڑی گئی ہے۔

۳۔ دین محض دو چیزوں کا نام ہے، اللہ ہی کی عبادت اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔

اب رنگونی صاحب بتائیں کہ ائمہ حرمین کا مسلک اور عقیدہ، احناف مقلدین سے مماثلت رکھتا ہے یا اہل حدیثوں سے؟

ائمہ حرمین کے مسلک کی اہل حدیثو ں کے مسلک سے مماثلت کی ایک اور واضح دلیل ملاحظہ ہو، خطبوں کے اسی مجموعے کے شروع میں شیخ سعود الشریم نے متعدد مسائل جمعہ پر بھی بحث کی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا نماز جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز کو بارش کی وجہ سے جمع کیا جاسکتا ہے؟ شیخ فرماتے ہیں:

”بقی عندنا حکم الجمعة مع العصر للمطر، وقد جوز ذلک الشافعیة کقولهم فی الظهر، بخلاف الأئمة الثلاثة، والصواب إن شاء الله هو ما اختاره الشافعیة لوجود العلة المقتضیة للجمع“ (ومیض من الحرام: ص۱۸)

”اب یہ مسئلہ باقی ہے کہ کیا بارش کی وجہ سے جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے؟ تو شافعیہ نے جس طرح ظہر وعصر کو جمع کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح جمعہ وعصر کو جمع کرنے کی بھی اجازت دی ہے، جبکہ باقی تینوں ائمہ اس کے قائل نہیں، اور ان شاء اللہ صحیح بات بھی وہی ہے جسے شافعیہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ جمع کرنے کا سبب (بارش) یہاں بھی موجود ہے“

مسائل شرعیہ میں اس طریقہ بحث وتمحیص سے معلوم ہوا کہ ائمہ حرمین قطعاً مقلد نہیں، وہ تو محض دلیل کی اتباع کرتے ہیں، چاہے دلیل حنبلی مذہب کے موافق ہو یا مخالف، انہیں دلیل قبول کرنے میں ہرگز پس وپیش نہیں، اور یہ چیز احناف مقلدین میں موجود نہیں ہے۔

۶۔شیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

شیخ الفوزان کا شمار سعودیہ کے کبار علماء میں ہوتا ہے، موصوف سعودیہ کی دائمی فتویٰ کمیٹی کے مستقل رکن ہیں اور کئی اہم کتابوں کے مؤلف ہیں، شیخ تقلید کے متعلق لکھتے ہیں:

”وکذلک یجب علی أتباع المذاهب أن یردوا أقوال أئمتهم إلی الکتاب والسنة فما وافقها أخذوا به، وما خالفها ردوه دون تعصب أو تحیز“ (کتاب التوحید ص ۴۹)

”اور مذاہب کے پیروکاروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے اماموں کے اقوال کو کتاب و سنت کی روشنی میں پرکھیں، پس جو قول کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لیں اور جو ان کے مخالف ہو اسے چھوڑ دیں“

اور اس کتاب کے آخر میں شیخ موصوف نے ظہورِ بدعات کے چند اسباب ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک سبب شیخ کے مندرجہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

”التعصب للآراء والرجال: یحول بین المرء واتباع الدلیل ومعرفة الحق، قال تعالی: ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا﴾ وهذا هو الشأن فی المتعصبین الیوم من بعض أتباع المذاهب الصوفیة والقبوریین إذا دعوا إلی اتباع الکتاب والسنة ونبذ ما هم علیه فما یخالفهما احتجوا بمذاهبهم ومشائخهم وآباء هم وأجدادهم“ (کتاب التوحید ص ۱۱۰)

”آراء اور اشخاص کے لئے تعصب، جو کہ انسان کو اتباعِ دلیل اور حق کی معرفت سے روک دیتا ہے، (بھی ظہورِ بدعات کے اسباب میں سے ایک ہے) اللہ تعالی کا فرمان ہے: ”اور جب انہیں کہا جائے کہ اللہ نے جس چیز کو اتارا ہے اس کی پیروی کرو، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا“ اور یہی حال آج ان متعصب لوگوں کا ہے جن کا تعلق صوفیاء اور قبر پرستوں کے ساتھ ہے، اور وہ مذاہب کی پیروی کرتے ہیں، تو انہیں جب کتاب وسنت کی پیروی کی طرف دعوت دی جائے اور انہیں کہا جائے کہ تمہارے اندر کتاب وسنت سے ٹکرانے والی جو باتیں ہیں انہیں چھوڑ دو، تو یہ اس کے مقابلے میں اپنے مذاہب، مشائخ اور آباؤ اجداد کو دلیل بناتے ہیں“

دوسرا مسئلہ

فاتحہ خلف الامام

اہل حدیثوں کا موقف یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر قراءتِ فاتحہ فرض ہے، اس پر متعدد دلائل و براہین موجود ہیں، جن کا بالاختصار تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے دو دلیلیں ملاحظہ کیجئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر مطلق قراءت فرض ہے، اور اس کا خاموش رہنا درست نہیں:

ا۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (المزمل: ۲۰)

ترجمہ: ''سوتم پڑھو قرآن مجید سے جتنا میسر ہو''

اس آیت میں قراءت کا حکم سب کے لئے ہے، خواہ کوئی امام ہو یا منفرد ہو یا مقتدی ہو، اور یاد رہے کہ اس آیت کو منسوخ قرار دینا درست نہیں، خود حنفی علماء مثلاً صاحب تلویح اور صاحب فتح القدیر نے نسخ سے انکار کیا ہے، نیز اس آیت میں مذکور قراءت کے حکم سے مقتدی کو مستثنیٰ کرنا بھی درست نہیں کیونکہ حدیث ''من كان له امام'' باجماع محدثین ضعیف ہے

۲۔حدیث مسیئ الصلاة، جس میں آپ ﷺ نے ایک صحابی کو نماز کی تعلیم دی، میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''إذا قمت إلى الصلاة فكبر ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن'' (كتب ستة)

ترجمہ: ''جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو تکبیر کہو، پھر قرآن میں سے جو میسر ہو اسے پڑھو''

اس حدیث میں آپ ﷺ نے قراءت کا حکم دیا ہے، اور اگر مقتدی کے لئے قراءت نہ ہوتی تو یقیناً آپ ﷺ اس صحابیؓ کو اس کے متعلق بھی تعلیم دیتے، لیکن آپ کا جو مطلق حکم قراءت ہے، وہ حالت انفراد اور حالت اقتداء دونوں کو شامل ہے، اور یاد رہے کہ آیت ''وإذا قرئ القرآن ....'' اس حدیث کے لئے ناسخ نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے جبکہ حدیث مسیئ الصلاة کے راوی حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

اب کچھ دلائل مقتدی پر قراءت فاتحہ کے فرض ہونے پر بھی ملاحظہ کرلیں:

ا۔حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ: ''لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب'' (كتب ستة وغيره)

ترجمہ: ''ہر ایسے شخص کی نماز نہیں جو فاتحہ کی قراءت نہ کرے''

یہ حدیث بقول امام بخاری رحمہ اللہ متواتر ہے، اور امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے ہے، اس میں (من) سے صرف منفرد یا امام مراد لینا بالکل غلط ہے، کیونکہ (من) باتفاق اصولیین عموم کے الفاظ میں سے ہے۔

۲۔حدیث أبي هريرة ''من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام'' (مسلم، ابوداؤد، الترمذی، النسائی وغیرہ)

ترجمہ: ''جو آدمی نماز میں فاتحہ نہیں پڑھتا، اس کی نماز فاسد ہے، نامکمل ہے'' (آپ ﷺ نے تین بار فرمایا)۔

اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ ''فاتحہ کو دل میں پڑھ لیا کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی''

یہ حدیث صحیح ہے، اسے مسلم، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ''الصحیح'' میں روایت کیا ہے، اور خود علماء احناف مثلاً الزیلعی، ملا علی قاری، شاہ عبد الحق، انور شاہ کشمیری اور عبد الحئ لکھنوی وغیرہ نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا، اور یہی وہ حدیث ہے جسے احناف نے ''بسملہ'' کے مسئلے میں شافعیہ کے خلاف دلیل بنایا ہے۔

۳۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے قراءت شروع کی تو دوران قراءت آپ ﷺ کو پریشانی سی ہوئی، چنانچہ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم بھی میرے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا تفعلو ا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها'' (ابوداود، ترمذی، نسائی، احمد، ابن خزیمہ وغیرہ)

ترجمہ: ''ایسے نہ کیا کرو، ہاں سورت فاتحہ کو ضرور پڑھا کرو، کیونکہ جو آدمی اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی''

اس حدیث کو محدثین کی بہت بڑی جماعت نے صحیح قرار دیا ہے، اور احناف علماء میں سے مولانا عبدالحئ لکھنوی اور مولانا قاسم نانوتوی نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔

مذکورہ دلائل اور دیگر وہ احادیث جنہیں ہم نے بخوف طوالت ذکر نہیں کیا، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی پر قراءت فاتحہ فرض ہے، کبار صحابہ کرام مثلاً: **عمر، علي، أبي بن كعب، ابن مسعود، أبوهريرة، أبو سعيد الخدري، أنس، ابن عباس، جابر، عبادة، عائشة، ابن عمر وغيرهم رضي الله عنهم** بھی اسی موقف کے قائل ہیں، اور اکابر احناف میں سے امام محمد اور خود امام ابوحنیفہ سری نمازوں میں قراءت فاتحہ کو مستحسن خیال کرتے ہیں، نیز علامہ عینی، ملا علی قاری، ابن ہمام، نظام الدین اولیاء، شاہ ولی اللہ، اور شیخ محمد عابد سندھی وغیرہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں۔

اور اس مسئلے میں مولانا عبدالحئ لکھنوی کا فتوی ملاحظہ کریں:

> ''سو یہ بات واضح طور پر کھل گئی ہے کہ سب سے قوی مسلک جسے ہمارے اساتذہ نے اختیار کیا ہے، وہ سری نمازوں میں قراءت فاتحہ کو مستحسن قرار دینا ہے، جیسا کہ امام محمد بن الحسن سے یہ مروی ہے، اور اسے فقہاء کی بہت بڑی جماعت نے پسند کیا ہے، اور مجھے قوی امید ہے کہ امام محمد نے جب سری نمازوں میں قراءت فاتحہ کو جائز اور مستحسن خیال کیا ہے، تو جہری نمازوں میں بھی وہ اسے جائز تصور کرتے ہوں گے جب ان میں سکتات موجود ہوں، کیونکہ جہری نمازوں میں سکتات موجودگی میں سری اور جہری نمازوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور یہی مذہب محدثین کی ایک جماعت کا ہے، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر دے'' (امام الکلام ص۲۱۶)

فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر جو موقف مولانا عبد الحئ لکھنوی نے حنفی ہونے کے باوجود اختیار کیا ہے، وہ یقینی طور پر قابل تحسین ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف مقلدین اگر انصاف پسندی سے کام لیں تو تقلیدی جمود کو توڑ سکتے ہیں اور اتباع دلیل کے سچے جذبات کو بیدار کرسکتے ہیں، اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اتباع حق کی توفیق دے۔ آمین

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: **توضیح الکلام** مؤلفہ شیخ ارشاد الحق اثری۔

فاتحہ خلف الامام اور سعودی علماء

رنگونی صاحب فرماتے ہیں: ''سعودی عرب کے علماء اور مشائخ قراءت فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں حضرت امام احمد بن حنبل کی فقہ پر چلتے ہیں اور حنفی فقہ کے قریب ہیں، ان کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قراءت واجب نہیں ہے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حنبلی فقہ میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں، لیکن آفرین ہے سعودی عرب کے علماء و مشائخ جو کہ فقہ حنبلی کے خلاف فتوی دیتے ہیں اور مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قراءت کو واجب قرار دیتے ہیں، انھوں نے حق معلوم کر لینے کے بعد اپنے امام کی فقہ کو چھوڑنا تو گوارا کرلیا ہے لیکن شرعی دلیل کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے، یہ ہے وہ سچا جذبہ اتباع سنت، اور کاش یہ جذبہ ان لوگوں میں بھی پیدا ہوجائے جو سعودی علماء کے مسلک سے مماثلت کا دعوی کرتے ہیں۔

تو آیئے فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں سعودی عرب کے مشہور علماء کا موقف معلوم کریں:

۱۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ:

شیخ سے سوال کیا گیا کہ کیا مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب ہے؟ اور اگر واجب ہے تو وہ اسے کب پڑھے؟ شیخ رحمہ اللہ نے جوابا فرمایا:

> **''الصواب وجوب قراءة الفاتحة على المأموم في جميع الصلوات السرية والجهرية لعموم قوله ﷺ: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" وقوله ﷺ: "لعلكم تقرؤون خلف إمامكم؟ قلنا: نعم قال لاتفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها" أخرجه الإمام أحمد بإسناد صحيح''(فتاوى مهمة تتعلق بالصلاة: ص ۵۹)**
>
> ترجمہ: ''صحیح یہ ہے کہ مقتدی پر سری اور جہری تمام نمازوں میں قراءت فاتحہ واجب ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے **''لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب''** عام ہے (یعنی مقتدی، امام اور منفرد سب کے لئے ہے)، اور اسی طرح آپ ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے

فرمایا: سوائے سورت فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو شخص اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی ''اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے''

شیخ ابن بازؒ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''والمشروع أن يقرأ بها في سكتات الإمام، فان لم يكن له سكتة، قرأ بها ولو كان الإمام يقرأ ثم أنصت ''

ترجمہ: ''اور مشروع یہ ہے کہ مقتدی امام کے سکتات کے دوران سورۂ فاتحہ کو پڑھے اور اگر امام سکتات نہ کرے تو تب بھی وہ اسے پڑھ لے اگرچہ وہ قراءت کر رہا ہو، اس کے بعد خاموش ہو جائے''۔

پھر فرماتے ہیں:

أما حديث :''من كان له إمام فقراء ته له قراء ة '' فهو حديث ضعيف لا يحتج به عند أهل العلم ،ولو صح لكانت الفاتحة مستثناة من ذلك جمعا بين الاحاديث''

ترجمہ: ''رہی یہ حدیث کہ ''جس کا امام ہو تو اس کی قراءت خود مقتدی کے لئے بھی ہے'' تو یہ ضعیف ہے اور اہل علم کے نزدیک ناقابل حجت ہے، اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو تمام احادیث کے درمیان تطبیق کے لئے ضروری ہوگا کہ سورت فاتحہ کو اس حدیث سے مستثنیٰ سمجھا جائے''۔

۲۔علمی بحوث اور فتوی کے لئے کبار علماء کی دائمی کمیٹی

فتوے وغیرہ کے لئے سعودی عرب میں کبار علماء پر مشتمل ایک کمیٹی پائی جاتی ہے، اس کے سابق سربراہ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ تھے، ان کی وفات کے بعد اب یہ عہدہ الشیخ عبدالعزیز آل الشیخ حفظہ اللہ نے سنبھالا ہے، اس کمیٹی سے فاتحہ خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا، جس پر کمیٹی نے ایک مختصر اور دوسرا مفصل فتوی جاری کیا، سب سے پہلے مختصر فتوی ملاحظہ کریں:

''تجب قراءة الفاتحة على الإمام والمأموم والمنفرد في الصلاة على الصحيح من أقوال العلماء في ذلك ،سواء كانت الصلاة سرية أم جهرية ،وسواء كانت الصلاة فريضة أم نافلة ،وسواء سكت الامام بين قراءة الفاتحة والسورة أم لم يسكت ''.

ترجمہ: ''علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ نماز میں امام، مقتدی اور منفرد سب پر قراءت فاتحہ واجب ہے، خواہ نماز سری ہو یا جہری، اور خواہ نماز فرض ہو یا نفل، اور خواہ امام سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ دیر خاموش رہے یا نہ رہے''۔

اس فتوے پر اس کمیٹی کے چار علماء کرام کے دستخط ہیں جو کہ یہ ہیں:

۱۔الشیخ عبداللہ بن قعود
۲۔الشیخ عبداللہ بن غدیان
۳۔الشیخ عبدالرزاق عفیفی
۴۔الشیخ عبدالعزیز بن باز

اور آئیے اب اس کمیٹی کا تفصیلی فتویٰ بھی ملاحظہ کر لیں:

''تجب قراءة الفاتحة على المصلي سواء كان إماما أو منفردا أو مأموما ،وسواء كانت الصلاة سرية أم جهرية ،نفلا أم فرضا، سمع المأموم فيها قراء ة إمامه أم لم يسمعها في أرجح أقوال العلماء لعموم حديث عبادة الصامت كل هذه الأحوال ''.

ترجمہ: ''نمازی پر قراءت فاتحہ واجب ہے، خواہ وہ امام ہو یا منفرد ہو یا مقتدی ہو، اور خواہ نماز سری ہو یا جہری، فرض ہو یا نفل، مقتدی کو اس میں امام کی قراءت سنائی دے یا نہ دے، علماء کے اقوال میں سے سب سے راجح قول یہی ہے، کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث نمازی کی مذکورہ تمام حالتوں کو شامل ہے''۔

پھر فتویٰ کمیٹی نے اپنے اس فتوے کے دلائل تحریر کئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

امام بخاری اور امام مسلم نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لاصلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن** ''یعنی'' ہر ایسے شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے'' تو آپ ﷺ نے ہر ایسے نمازی کی نماز کی نفی کی ہے جو سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھتا، اور آپ ﷺ نے اس سے نمازی کی کسی حالت کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا، اور نفی جب شرعی نصوص میں وارد ہوتی ہے تو منفی چیز کی حقیقتاً نفی کر دیتی ہے نہ یہ کہ اس کے کمال کی نفی کرتی ہے، الا یہ کہ کوئی دلیل موجود ہو تو اس کی بناء پر منفی چیز کے کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے، جب کہ یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔

(اس لئے حدیث کے الفاظ ''**لاصلاۃ** '' میں نفی سے مراد حقیقی نفی ہے، یعنی یہ کہ نماز نہیں ہوتی، اس سے مراد یہ نہیں کہ نماز مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے لئے دلیل مطلوب ہے جو کہ نہیں ہے)۔

اور احناف نے اپنے اس موقف کے لئے کہ مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کو دلیل بنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**من صلی خلف الامام فقراءة الامام قراءة له**''۔

ترجمہ: ''جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہوگی'' تو یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے ''**التلخيص**'' میں لکھا ہے: یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اس کو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے، اور سب کے سب ضعیف ہیں''

اور اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہوگی کیونکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو حدیث ''**لا صلاة لمن لم يقرأ بأم القرآن**'' کے راوی ہیں نے ایک بار حضرت ابونعیم کے پیچھے نماز پڑھی، اور اس میں سورۂ فاتحہ کی قراءت بھی کی، کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ ابونعیم کی قراءت کی آواز سنتے ہوئے بھی سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے؟ تو انہوں نے جواباً کہا:

جی ہاں، خود رسول اکرم ﷺ ایک بار جہری نماز پڑھا رہے تھے، تو آپ ﷺ کو دوران قراءت اشتباہ سا محسوس ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: کیا تم بھی قراءت کرتے ہو جب میں اونچی آواز سے قراءت کرتا ہوں؟ تو ہم میں سے بعض نے جواباً کہا کہ جی ہاں، ہم اسی طرح کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ نہ پڑھا کرو، سوائے سورت فاتحہ کے''

تو یہ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو راویٔ حدیث ''**لا صلاة**'' ہیں، امام کے پیچھے اس کی جہری قراءت کے دوران خود بھی قراءت کررہے تھے، کیونکہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث سے یہی سمجھا تھا۔

اور فرمانِ الٰہی:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

اور حدیث نبوی ''**وإذا قرأ فأنصتوا**'' میں جو عموم ہے، اس کی بھی عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث سے تخصیص کر دی جائے گی، کیونکہ یہ حدیث واضح دلیل ہے اس بات کی کہ جہری نماز میں مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب ہے، اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جب خاص کا عام سے تعارض ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور اس کی تخصیص کردی جاتی ہے، تاکہ دونوں کے درمیان تعارض دور ہو جائے، اور ان میں سے ایک پر عمل کرنے کی بجائے دونوں پر عمل ہو جائے۔

اور مسلم اور ابوداود نے حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''**من صلى صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج فهي خداج غير تمام**''

ترجمہ: ''جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی قراءت نہ کی، تو ایسی نماز فاسد ہے، فاسد ہے، فاسد ہے''۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ السائب مولی ہشام بن زہرۃ نے کہا: اے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ تو ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے ان کے پہلو پر ہاتھ مارتے ہ[illegible]

تو [illegible] واضح دلیل ہے [illegible] فاتحہ واجب ہے'' دیکھئے [illegible] (۴۰)

تو یہ [illegible] سے بحث کی گئی ہے [illegible] مقتدی کو خاموش ر[illegible] تو ان سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ قرار دیا گیا [illegible] میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ کی قراءت [illegible]

اس فتوے پر سعودی عرب کے نامور علماء کے دستخط ہیں جو کہ یہ ہیں:

۱۔ الشیخ عبداللہ بن سعود ۲۔ الشیخ عبدالرزاق عفیفی ۳۔ الشیخ عبدالعزیز بن باز

فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ

موصوف نے فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''زاد المستقنع'' کی شرح کی ہے جو ''الشرح الممتع علی زاد المستقنع '' کے نام سے مطبوع ہے، ''زاد'' کے مؤلف نے امام کے پیچھے قراءت کے مسئلے میں لکھا ہے کہ ''ولا قراءۃ علی مأموم ''یعنی ''مقتدی پر قراءت نہیں ہے۔'' الشیخ ابن عثیمین نے شرح میں مؤلف کے اس موقف کی دلیل یہ حدیث پیش کی ہے: ''من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ ''، اس کے بعد لکھتے ہیں:

''ولکن ھذا الحدیث لایصح عن النبی ﷺ کما قال ابن کثیر فی تفسیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ: إنہ یصح موقوفا''وقال الحافظ فی الفتح : إنہ ضعیف بإتفاق الحفاظ، وإذا کان ضعیفا سقط الاستدلال بہ '' (الشرح الممتع: ج ۴ص ۲۴۵)

ترجمہ: لیکن یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، اور جب یہ ضعیف ہے تو اسے دلیل نہیں بنایا جاسکتا''

پھر کہتے ہیں:

''والقول الراجح فی ھذہ المسألۃ :أن المأموم یجب علیہ قراءۃ الفاتحۃ، وذلک لعموم قول النبی ﷺ: ''لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' و(من) اسم موصول، واسم الموصول یفید العموم ،أی :أيّ إنسان لم یقرأ الفاتحۃ ،سواء أکان مأموما أم إماما أم منفردا ، ولایصح أن یحمل ھذا النفی علی نفی الکمال، بدلیل ما رواہ مسلم عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺقال: کل صلاۃ لا یقرأ فیھا بأم القرآن أوقال بفاتحۃ الکتاب فھی خداج فھی خداج فھی خداج ''والخداج ھو ''الشیئ الفاسد ''(الشرح الممتع : ج۴ص۲۴۷)

ترجمہ: ''اور اس مسئلے میں راجح مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ''لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب' عام ہے اور اس میں (من) اسم موصول ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ ہر ایسے انسان کی نماز نہیں ہوتی جو سورت فاتحہ کی قراءت نہیں کرتا، خواہ وہ مقتدی ہو یا امام ہو یا منفرد ہو، اور اس حدیث میں جو نفی آئی ہے (لاصلاۃ) اس سے نفی کمال مراد لینا درست نہیں، اور اس کی دلیل صحیح مسلم میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر ایسی نماز جس میں سورت فاتحہ کو نہ پڑھا جائے وہ فاسد ہے، وہ فاسد ہے، وہ فاسد ہے''

الشیخ ابن عثیمین حفظہ اللہ تعالی کے مذکورہ اقتباسات سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے نزدیک مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب ہے، وہاں ہمارے اس موقف کو بھی تقویت ملتی ہے کہ سعودی علماء اگر فروع میں حنبلی المذہب ہیں بھی تو اس طرح نہیں جس طرح احناف مقلدین ہیں، کیونکہ سعودی علماء فقہ حنبلی کو اس طرح مقدس خیال نہیں کرتے ہیں جس طرح احناف کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ فقہ حنبلی کا ہر ایسا مسئلہ مکمل شرح صدر کے ساتھ ٹھکرا دیتے ہیں جو صحیح دلیل سے ٹکراتا ہو، جیسا کہ آپ نے اس مسئلہ میں ملاحظہ فرمایا۔

تیسرا مسئلہ

ایک مجلس کی تین طلاقیں

اس مسئلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے، حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضورﷺ کو ایک شخص کے متعلق بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، تو آپﷺ غصے کی حالت میں کھڑے ہوگئے اور آپﷺ نے فرمایا:

''أیلعب بکتاب الله، وأنا بین أظهر کم ؟

ترجمہ: ''کیا کتاب اللہ کو کھلونا بنایا جارہا ہے جب کہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں''؟ (النسائی)

اور طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو طہر کی حالت میں ایک بار طلاق دے، پھر اگر رجوع نہیں کرنا چاہتا تو بیوی کے قریب جائے بغیر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے، پھر اگر وہ رجوع نہیں کرنا چاہتا تو تیسرے طہر میں بیوی کے قریب جائے بغیر تیسری طلاق دے دے، (بخاری ومسلم)

یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں بیان کیا ہے، فرمایا:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

''طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھائی سے روکنا یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے''

یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے، تو پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے، جب کہ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد اسے رجوع کا حق حاصل نہیں، اور یہ جو رجوع کی گنجائش رکھی گئی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے طلاق دینے کے بعد دونوں میں جدائی نہ ہو جائے، بلکہ خاوند کو سوچنے اور غور وفکر کرنے کا موقع دیا جائے، ورنہ اگر پہلی طلاق کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جدائی کا حکم ہوتا تو اس سے بہت سارے گھر تباہ ہوسکتے تھے، اور فرمان الٰہی ''**الطلاق مرتان**'' میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور ہمارے نزدیک زیر بحث مسئلے میں بھی یہ حکمت تبھی پوری ہوسکتی ہے جب ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کیا جائے اور اس کے بعد خاوند کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہو، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرمﷺ کے پورے عہد میں، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پورے دورِ خلافت میں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کیا جاتا تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ طلاق کے مسئلے میں انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو انہوں نے سزا کے طور پر تین طلاقیں نافذ کردیں (مسلم)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکٹھی تین طلاقوں کو تین طلاقیں شمار کرنے کا حکم کیوں جاری کیا، حالانکہ عہدِ رسالت، عہد صدیقی اور خود ان کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایسا نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک لوگ طلاق دینے کے شرعی طریقے کے پابند تھے اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد رسالت اور عہد صدیقی میں رائج قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرتے رہے، اور اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا تھا تو اس کی پشت پر درے رسید کرتے تھے۔ (فتح الباری ج۱۱ص۲۷۷) کیونکہ یہ فعل شریعت میں انتہائی ناپسندیدہ تھا، لیکن جب لوگ کثرت سے ایسا کرنے لگے تو انہوں نے سزا کے طور پر تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کردیا؟ تاکہ لوگ اس سے باز آجائیں اور طلاق کے معاملے میں غور وفکر اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کریں، اس اقدام کی وجوہات چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو معلوم تھیں اس لئے انہوں نے بھی اس پر خاموشی اختیار کی۔

یہاں پر ایک بات قابل ملاحظہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کرتے وقت یہ نہیں فرمایا کہ یہ حکم رسول اللہﷺ کا ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''**فلو أمضینا علیهم**'' یعنی اس حکم کی نسبت انہوں نے اپنی طرف کی، تو یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کے ایک مخصوص طرزِ عمل کو روکنے کے لئے کیا گیا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ندامت ہوئی اور انہوں نے اس سے رجوع کرلیا۔

کیا مسئلہ طلاق اجماعی مسئلہ ہے؟

احناف مقلدین یہ دعویٰ کرتے تھکتے نہیں کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم جاری کیا ہے، تب سے اس حکم پر اجماع چلا

آ رہا ہے، اور اس سے سوائے اہلحدیثوں کے کسی اور نے اختلاف نہیں کیا، حالانکہ یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے اور جھوٹے پروپیگنڈہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیونکہ:

۱۔ عہد صدیقی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں بھی تو اس بات پر اجماع تھا کہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جائے، اس اجماع کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جاری کردہ ایک تعزیری حکم سے وہ اجماع باطل قرار پائے گا اور نا قابل عمل ہوگا؟

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم ایک خلیفۂ راشد نے جاری کیا (اگرچہ یہ حکم ایک تعزیری حکم تھا)، لیکن انہیں ایک طلاق شمار کرنے کا قانون بھی تو ان سے افضل ایک خلیفۂ راشد ہی کے دور خلافت کا قانون تھا، پھر خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قانون کو دو سال تک درست قرار دیا، اسی طرح خلفائے راشدین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنا تھا، تو بتائیے آپ کے دعوائے اجماع کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرات ابن مسعودؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور زبیرؓ بھی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کے قائل تھے، تو کہاں گیا آپ کا دعوائے اجماع؟

۴۔ تابعین و تبع تابعینؒ میں سے عطاءؒ، طاوسؒ اور عمروؒ بن دینار وغیرہ بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہی شمار کرتے تھے (فتح الباری: ج ۱۱ص ۲۷۸)

۵۔ علماء امت مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، حافظ ابن حجر، امام قرطبی، امام فخر الدین الرازی، امام شوکانی وغیرہ نے اس مسئلے کو اختلافی مسئلہ قرار دیا ہے، تو معلوم نہیں یہ اجماع کیونکر ہوگیا؟

۶۔ کتاب "الفقه على المذاهب الأربعة" کے مصنف اور مشہور عالم عبدالرحمٰن الجزیری دعوائے اجماع کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولكن الواقع أنه لم يوجد إجماع، فقد خالفهم كثير من المسلمين"

"حقیقت یہ ہے کہ (اقدام عمر رضی اللہ عنہ پر) کبھی اجماع نہیں پایا گیا، اور بہت سارے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے"

۷۔ ہندوستان میں اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ احمد آباد کے زیر اہتمام نومبر ۱۹۷۳ء میں ایک سیمینار منعقد ہوا، جس میں چھ دیوبندی اور دو اہلحدیث علماء نے شرکت کی اور ان میں سے سات نے اس میں ایک مجلس کی تین طلاقوں پر مقالے پیش کیے اور سوائے ایک کے باقی سب نے اس مسئلے کو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی اختلافی مسئلہ قرار دیا، اور سب نے وہی موقف اختیار کیا جو اہلحدیثوں کا ہے، اس سیمینار کی پوری کارروائی اور اس میں پیش کیے جانے والے مقالوں کو بعد میں ایک کتاب بعنوان "ایک مجلس کی تین طلاق، قرآن وسنت کی روشنی میں" کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

۸۔ مشہور بریلوی عالم پیر کرم شاہ ازہری نے "دعوت غور وفکر" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، جس میں انہوں نے احناف کو تقلید کے بندھن سے آزاد ہو کر قرآن وسنت کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی، اور طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے میں موقفِ اہلحدیث کی پُر زور حمایت اور تائید کی۔

مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: صراط مستقیم اور اختلاف امت، مؤلفہ الشیخ ابو الاشبال اور حافظ صلاح الدین یوسف۔

مسئلہ طلاق میں شیعہ کے ساتھ کون ہیں ...... اہلحدیث یا احناف مقلدین؟

رنگونی صاحب مسئلہ طلاق میں چند اہلحدیث علماء کی تصریحات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"سو یہ بعض اہلحدیث وہ ہیں جو مسئلہ طلاق میں شیعہ کے ساتھ ہیں" (ص ۲۶)

اس کی توجیہ رنگونی صاحب کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ اہلحدیث نے اس مسئلے میں اجماع امت کی مخالفت کی ہے، اور شیعہ بھی اجماعِ امت کی مخالفت کرتے ہیں۔ جبکہ ہم گذشتہ سطور میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ دعوائے اجماع ایک ڈھونگ ہے، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ہر دور میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، اور انصاف پسند

مقلدین نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس کے برعکس یہ مسئلہ اجماعی تو اس وقت تھا جب تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا، یعنی عہد رسالت میں، پھر عہد صدیقی میں، اور پھر عہد فاروقی کے ابتدائی دو تین سالوں میں، اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعزیری حکم جاری کیا تو یہ مسئلہ نزاعی حیثیت اختیار کر گیا، گویا اس کی اجماعی حیثیت کے منکر اہلحدیث نہیں مقلدین ہیں۔ پھر کسی مسئلے میں ائمہ اربعہ کے اتفاق کو اجماع قرار دینا بھی بہت بڑی غلطی ہے، کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ حق ان چار ائمہ کے مذاہب میں منحصر نہیں، ان سے باہر بھی ہوسکتا ہے، اور اگر حق کو انہیں چار مذاہب میں منحصر مان لیا جائے تو ان مسلمانوں کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے جو ان مذاہب کے معرض وجود میں آنے سے پہلے تھے، جن میں صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں؟ کیا ان میں مجتہدین نہیں تھے؟ اگر تھے تو ان کے اجتہاد کی کیا حیثیت ہوگی؟ اور زیر بحث مسئلہ میں جن صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم کا موقف ائمہ اربعہ کے موقف سے ہٹ کر ہے، ان کے متعلق کیا ارشاد ہے، کیا وہ بھی شیعہ کے ساتھ ہیں؟

اور اگر غور کیا جائے تو اس مسئلے میں اہلحدیث نہیں، احناف مقلدین شیعہ کے ساتھ ہیں، کیونکہ احناف مقلدین ہی ہیں جنہوں نے مسئلہ طلاق کا سہارا لے کر حلالے جیسی لعنت کا دروازہ کھولا ہے، وہ کام جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ملعون ہے اور اسے کرنے اور اس کا کروانے والا لعنت کا مستحق ہے، اسے احناف مقلدین جائز قرار دیتے ہیں، **إنا لله وإنا إليه راجعون**، جبکہ دوسری طرف شیعہ کے ہاں متعہ جائز ہے، حلالہ اور متعہ میں وجہِ اشتراک کسی سے مخفی نہیں۔

مسئلہ طلاق اور سعودی علماء

''طلاقِ ثلاثہ'' کے مسئلے میں اکثر سعودی علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرکے اس کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوگا، سو آیئے ان علماء کے فتوے ملاحظہ کریں:

ا۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ

''**فتاوی المرأة المسلمة**'' میں شیخ کا تفصیلی فتویٰ موجود ہے، جس کا اُردو ترجمہ ''فتاوی علامہ عبدالعزیز بن باز، ص۲۹۵'' میں یوں کیا گیا ہے:

''اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی جملہ میں تین طلاق دے دے مثلاً یہ کہے کہ: تم کو تین طلاق ہے یا تم کو تین طلاق دے دی گئی، تو جمہور علماء کی رائے ہے کہ تینوں طلاق عورت پر واقع ہو جائے گی اور عورت شوہر کے لئے حرام ہوجائے گی، یہاں تک کہ اپنی مرضی سے (حلالہ کی غرض سے نہیں) کسی دوسرے آدمی سے شادی کرلے، اور اس سے جماع کرے، اور دوسرا شوہر طلاق دے دے، یا اس کی موت ہو جائے تو پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی، اور اس کی دلیل ان لوگوں نے پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر یہی نافذ کیا تھا۔

اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہوگی، اور عورت جب تک عدت میں ہے شوہر اس سے رجوع کرسکتا ہے اور اگر عدت سے نکل گئی تو نکاح جدید کے ذریعے اس کو حلال بنا سکتا ہے اور دلیل میں صحیح مسلم کی یہ روایت پیش کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاق ایک طلاق ہوتی تھی'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگوں نے ایسے ایک معاملے میں عجلت سے کام لیا جس میں ان کے لئے نرمی تھی، کاش ہم تینوں طلاق کو ان پر نافذ کردیتے'' چنانچہ انہوں نے نافذ کردیا، مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوصہبا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی تین سالوں میں تین طلاق ایک طلاق نہیں مانی جاتی تھی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں''

ان کی دوسری دلیل مسند احمد کی روایت ہے جس کی سند جید ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: ''ابورکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اور اس کی وجہ سے ان کو افسوس ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کے لئے جائز قرار دیا اور فرمایا کہ یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے''

ان لوگوں نے اس حدیث کو اور اس سے پہلے والی حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ

ایک ہی جملہ میں تین طلاق دی گئی تھیں، تاکہ ان دونوں حدیثوں میں اور اس آیت میں کوئی تعارض نہ رہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ " طلاق دو مرتبہ ہے" (البقرہ:۲۲۹) اور اس آیت سے بھی تعارض نہ رہے کہ: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ﴾ "اگر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرلے" (البقرہ:۲۳۰)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے (ایک صحیح قول کے مطابق) اسی کو اختیار کیا ہے، اور ایک دوسری روایت میں ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے جمہور کا قول اختیار کیا ہے، اور تین طلاق کو ایک طلاق ماننے والوں میں حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

محمد بن اسحاق (کتاب المغازی، سیرت نبوی کے پہلے مصنف) اور تابعین کی ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے، اور متقدمین ومتاخرین علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور میں بھی یہی فتوی دیتا ہوں اس لئے کہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہوجاتا ہے، اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت وشفقت اور نرمی کا پہلو بھی ہے"

۲۔ کبار علماء کی فتوی کمیٹی اور رنگونی صاحب کی خیانت

رنگونی صاحب رقمطراز ہیں: "اور سعودی حکومت اور سعودی عرب کے ممتاز علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہیں، حکومت سعودیہ نے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے مشہور علماء پر جو تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے، جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ رہتا ہے، اس تحقیقاتی مجلس کے سامنے "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا، مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر وشروح احادیث کے مضبوط دلائل اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق فیصلہ دیا کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہیں" (ص:۲۵)

قارئین کرام! آپ نے رنگونی صاحب کا فرمان ملاحظہ فرمایا، اب اصل حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے:

اصل حقیقت یہ ہے کہ سعودیہ کے کبار علماء پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا، اور ان علماء نے اس میں تحقیق کی تو ان میں سے اکثر نے واقعتاً وہی موقف اختیار کیا جسے رنگونی صاحب نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کا یہ موقف متفقہ نہیں تھا بلکہ اس کمیٹی کے پانچ کبار علماء نے اس موقف سے اختلاف کرتے ہوئے الگ فیصلہ لکھا جس کے ابتدائی الفاظ کچھ یوں ہیں:

"الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله، وبعد: فنرى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة"

ترجمہ: حمد الہی اور درود وسلام کے بعد: ہمارا موقف یہ ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں ایک طلاق ہی ہے" (أبحاث هيئة كبار العلماء: ج ۱ ص ۴۱۶)

اور الشیخ عبداللہ البسام اسی حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وخالف من أعضاء المجلس خمسة وهم: الشيخ عبد العزيز بن باز، والشيخ عبد الرزاق عفيفي، والشيخ عبد الله خياط، والشيخ راشد بن حنين، والشيخ محمد بن جبير" (توضيح الاحكام من بلوغ المرام: ج۵، ص ۲۱)

ترجمہ: مجلس کے ارکان میں سے پانچ نے ایک الگ موقف اختیار کیا، اور وہ پانچ یہ ہیں: الشیخ ابن باز، الشیخ عبدالرزاق عفیفی، الشیخ عبداللہ خیاط، الشیخ راشد بن حنین، الشیخ محمد بن جبیر"

تو اس سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا جو فتویٰ سعودیہ کے کبار علماء کی تحقیقاتی کمیٹی کی طرف سے جاری ہوا، اسے ان علماء کا متفقہ فیصلہ قرار دینا جھوٹ اور علمی خیانت ہے، کیونکہ اس کمیٹی کے پانچ کبار علماء نے تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا، اور پھر جو فتوی رنگونی صاحب نے نقل کیا ہے خود اس کے اپنے الفاظ (توصل المجلس بأكثرية) بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتے ہیں۔

۳۔ الشیخ عبداللہ بن عقیل رحمہ اللہ

موصوف سعودی عرب کے مشہور عالم دین عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کے سعودی شاگرد ہیں۔ ان سے ان کے استاذ مذکور نے چند سوالات کئے، جن میں سے ایک سوال "طلاق ثلاثہ" کے متعلق تھا، اس کے جواب میں موصوف رقمطراز ہیں:

"وأمـا سؤالک عـن الـراجـح فـی مسـألة الـطلاق الثلاث لکلمة أو لـکـلـمـات فقد تقرر وتکرر أننا نعتقد صحة ما رجّحه شیخ الاسلام فیها لـلـوجـوه الـکـثـیـرة التی بینها الشیخ وابن القیم " (الأجوبة النافعة عن المسائل الواقعة :۹۳)

ترجمہ:"اور رہا آپ کا یہ سوال کہ ایک لفظ سے یا کئی الفاظ سے تین طلاقوں کے مسئلے میں کیا راجح ہے؟ تو ہم پہلے بھی کئی بار اظہار کر چکے ہیں کہ ہم کئی وجوہات کی بناء پر اُس موقف کو صحیح سمجھتے ہیں جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے اور انہوں نے اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے کئی دلائل ذکر کئے ہیں"

۴۔شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بسام رحمہ اللہ

موصوف نے "بلوغ المرام" کی شرح اور توضیح الاحکام ج۵ص۱۸" میں اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے،سب سے پہلے جمہور علماء کا مذہب اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ترجمہ:"اور علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ ایک لفظ یا کئی الفاظ سے دی گئی تین طلاقوں سے ایک طلاق ہی واقع ہو گی ،اور یہ مذہب کئی صحابہ کرام ،تابعین اور اتباعِ مذاہب سے مروی ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابوموسیٰ الاشعری ،ابن عباس، ابن مسعود، علی، عبدالرحمٰن بن عوف اور الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہم اس مذہب کے قائل ہیں۔

اور تابعین میں سے طاوس، عطاء، جابر بن زید، عبداللہ بن موسیٰ، محمد بن اسحٰق رحمہم اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اکثر شاگردوں نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔

اور اتباعِ مذاہب میں سے داود اور ان کے شاگرد، امام ابوحنیفہ کے بعض شاگرد، امام مالک کے بعض شاگرد ،امام احمد بن حنبل کے بعض شاگرد،اسی طرح المجد عبدالسلام بن تیمیہ، اور ان کے پوتے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور پھر ان کے شاگرد جن میں امام ابن القیم سرفہرست ہیں، جنہوں نے "زاد المعاد" اور "إغاثة اللهفان" دونوں کتابوں میں اس مسئلے پر طویل بحث کی ہے اور مخالفین کے دلائل کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔"

اس کے بعد شیخ بسام رحمہ اللہ نے جمہور کے دلائل کا جواب دیا ہے، اور وہ جو عمل صحابہ کو دلیل بناتے ہیں، اس کے متعلق لکھتے ہیں:

وأما الاستدلال بعمل الصحابة فمن أولاهم بالاقتداء والاتباع؟ ونحن نقول إنهم يزيدون عن مائة ألف، وكل هذا الجمع الغفير وأولهم نبيهم ﷺ يعدون الثلاث واحدة ،حتى إذا توفى ﷺ وهى على ذلك، وجاء خليفته الصديق فاستمرت الحال على ذالك حتى توفى، وخلفه عمر فمضى صدر خلافته والأمر كما هو على عهد النبى ﷺ وعهد الصديق، بعد ذلك جعلت الثلاث كعددها ثلاثا كما بينا سببه، فصار على أن الثلاث واحدة جمهور الصحابة مِمَّن قضى نحبه قبل خلافة عمر ..... فعلمنا حينئذ أن الاستدلال بعمل الصحابة منقوض بما يشبه إجماعهم فى عهد الصديق على خلافه "

ترجمہ:"اور رہا عمل صحابہ سے استدلال، تو آپ بتایئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کون پیروی کا زیادہ حق دار ہے؟ جب کہ ہم کہتے ہیں کہ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی، تو آپ ﷺ کی وفات تک سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے، پھر عہد صدیقی میں بھی یہی حال تھا، پھر عہد فاروقی کے ابتدائی سالوں میں بھی ایسا ہی رہا، اس کے بعد تین کو تین شمار کیا جانے لگا، جس کا سبب ہم بیان کر چکے ہیں، تو اس سے ثابت ہوا کہ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے تک جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین کو ایک تصور کرتے تھے، لہٰذا تین کو تین شمار کرتے ہوئے عمل صحابہ کو دلیل بنانا درست نہیں، کیونکہ عہد صدیقی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جس بات پر اجماع تھا وہ اس کے خلاف ہے"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے الشیخ البسام رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

ترجمہ:"جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا تعلق ہے تو ہم ان کے متعلق اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسا عمل کیا جس کا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وجود نہیں تھا، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جب لوگوں کو دیکھا کہ وہ بکثرت تین طلاقیں اکٹھی دینے لگ گئے ہیں، جو کہ حرام ہے، تو انہوں نے لوگوں کو سبق سکھلانے کے لئے بطور تعزیر تین طلاقوں کو نافذ کر دیا، اور آپ کا یہ عمل اجتہادی تھا، اور اجتہاد اختلافِ زمان ومکان کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی جو تبدیل نہ ہو سکے، لازم اور ناقابل تبدیل حکم وہی ہے جو کہ ابتداء اس مسئلے میں موجود تھا"

مسئلہ تراویح

ا۔صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسے تھی؟ تو انہوں نے جواباً کہا:

"ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة" (بخاری: حدیث نمبر۲۰۱۳)

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ رمضان میں اوردیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے"

۲۔حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے، اگلی رات آئی تو ہم جمع ہوگئے، اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ گھر سے باہر نکلیں گے لیکن ہم صبح تک انتظار کرتے رہ گئے، پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کردیا جائے" (صحیح ابن خزیمہ (۱۰۷۰)،ابن حبان (۲۴۰۱)،ابویعلی (۳۳۶/۳)

اس حدیث کی سند کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے تخریج صحیح ابن خزیمہ میں حسن قرار دیا ہے، اس کے راوی عیسٰی بن جاریہ پر کچھ محدثین نے جرح کی ہے جو کہ مبہم ہے، اوراس کے مقابلے میں ابوزرعہ اورابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے،لہذا اسے جرح مبہم پر مقدم کیا جائے گا۔

۳۔امام مالک نے السائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اورتمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا"

(الموطأ ۱/۷۳باب ماجاء في قيام رمضان ،ابن أبي شيبة ۲/۳۹۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی رمضان اوردیگر مہینوں میں رات کی نماز گیارہ رکعات تھی۔

۲۔ یہی گیارہ رکعات آپ ﷺ نے رمضان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی باجماعت پڑھائیں۔

۳۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا، تو انہوں نے بھی دوصحابہ کرام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اورتمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات ہی پڑھانے کا حکم دیا۔

تراویح ہی ماہِ رمضان میں تہجد ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپ ﷺ نے اس دوران ہمیں قیام نہیں کرایا، یہاں تک کہ صرف سات روزے باقی رہ گئے، چنانچہ آپ ﷺ نے ۲۳ کی رات کو ہمارے ساتھ قیام کیا، اور اتنی لمبی قراءت کی کہ ایک تہائی رات گزر گئی، پھر چوبیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام نہیں پڑھایا، پھر پچیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام پڑھایا، یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی، پھر چھبیسویں رات گذر گئی اور آپ ﷺ نے قیام نہیں پڑھایا، پھر ستائیسویں رات کو آپ ﷺ نے اتنا لمبا قیام پڑھایا کہ ہمیں سحری فوت ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا"

(ترمذی: حسن صحیح ،حدیث نمبر ۷۸۷،ابوداود: حدیث نمبر۱۳۶۲،النسائی: حدیث نمبر ۱۳۶۴،ابن خزیمہ: حدیث نمبر۲۲۰۶،ابن حبان: حدیث نمبر ۲۵۴۸)

تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں نماز تراویح پر ہی اکتفاء کیا اور اس کے بعد نماز تہجد نہیں پڑھی، کیونکہ سحری تک تو آپ ﷺ نماز تراویح ہی پڑھاتے رہے، اور اگر اس میں اور نماز تہجد میں کوئی فرق ہوتا یا دونوں الگ الگ نمازیں ہوتیں تو آپ ﷺ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے ،تو رمضان میں تراویح ہی نماز تہجد ہے،اورعام دنوں میں جسے نماز تہجد کہتے ہیں وہی نماز رمضان میں نماز تراویح کہلاتی ہے،یہی وجہ ہے کہ محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی (پہلی) حدیث کو کتاب التراویح میں روایت کیا ہے ،اس لئے اس سے نماز تہجد مراد لینا،اور پھر اس میں اورنماز تراویح میں فرق کرنا قطعاً درست نہیں۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا؟

ہم نے مؤطا اور ابن ابی شیبہ کے حوالے سے السائب بن یزید کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اورتمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات

پڑھانے کا حکم دیا تھا، امام مالک نے جہاں یہ اثر روایت کیا ہے، اس کے فوراً بعد ایک دوسرا اثر بھی لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں کہ یزید بن رومان کا کہنا ہے کہ لوگ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں ۲۳ رکعات رمضان میں پڑھا کرتے تھے۔ (مؤطا: ۱/۱۳۷)

لیکن یہ دوسرا اثر منقطع یعنی ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی یزید بن رومان نے عہد عمر رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں، اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو تب بھی پہلا اثر راجح ہوگا کیونکہ اس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو صحابیوں کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، جبکہ دوسرے اثر میں یہ ہے کہ لوگ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں ۲۳ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تو جس کام کا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا وہی راجح ہوگا کیونکہ وہ سنت کے مطابق ہے۔

نوٹ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیس تراویح والے تمام آثار ضعیف ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح ثابت نہیں۔

خلاصۂ کلام

گذشتہ مختصر بحث سے معلوم ہوا کہ نماز تراویح کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کی صحیح سنت گیارہ رکعات ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سنت کو زندہ کیا اور گیارہ رکعات کا التزام کیا۔

اور جہاں تک کچھ ائمہ کرام کا یہ مؤقف ہے کہ نماز تراویح گیارہ سے زیادہ رکعات بھی پڑھی جاسکتی ہے، تو یہ اس بناء پر نہیں کہ سنت اس سے زیادہ ہے، بلکہ محض اس بناء پر کہ چونکہ یہ نماز نفل ہے، اور نفل میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، اس لئے گیارہ سے زیادہ بیس یا اس سے بھی زیادہ رکعات پڑھی جاسکتی ہیں، اور ہمارا خیال ہے کہ کم از کم اتنی بات پر تو سب کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس چیز میں ہے کہ سنت اور افضل کیا ہے؟ تو جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ آپ ﷺ گیارہ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے اور رات کی جو نفل نماز عام دنوں میں آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے، وہی نماز رمضان میں تراویح کہلاتی ہے، تو یقینی طور پر نماز تراویح کے مسئلے میں سنت رسول ﷺ گیارہ رکعات ہی ہے، باقی نفل سمجھ کر کوئی شخص اگر گیارہ سے زیادہ پڑھتا ہے تو اس پر کوئی نکیر نہیں ہونی چاہئے، ہاں البتہ اسے سنت تصور نہیں کیا جاسکتا، اور اسی موقف کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اور سعودی علماء نے اختیار کیا ہے۔

مسئلہ تراویح اور سعودی علماء

سعودی علماء کا مسئلہ تراویح میں بالکل وہی موقف ہے جسے ہم نے مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے، تو آیئے ان کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شیخ ابن باز رحمہ اللہ

"والأفضل ما كان النبي ﷺ يفعله غالباً وهو أن يقوم بثمان ركعات يسلم من كل ركعتين، ويوتر بثلاث مع الخشوع والطمأنينة وترتيل القراءة، لما ثبت في الصحيحين من عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ لا يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدىٰ عشرة ركعة......" (فتاویٰ اللجنة الدائمة ۷/۲۱۲)

"اور افضل وہ ہے جو نبی ﷺ اکثر و بیشتر کرتے تھے، اور وہ یہ ہے کہ انسان آٹھ رکعات پڑھے، اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے، پھر تین وتر ادا کرے، اور پوری نماز میں خشوع، اطمینان اور ترتیل قرآن ضروری ہے، بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے......"

(۲) فتویٰ کمیٹی (سعودی عرب) کا فتویٰ

"صلاة التراويح سنة سنها رسول الله ﷺ، وقد دلّت الأدلة على أنه ﷺ ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة" (فتاویٰ الجنة الدائمة: ۷/۱۹۴)

"نماز تراویح رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اور دلائل یہ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان اور اس کے علاوہ پورے سال میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے"

اس فتوے پر چار سعودی علماء کے دستخط ہیں:

الشیخ عبداللہ بن قعود، الشیخ عبداللہ بن غدیان، الشیخ عبدالرزاق عفیفی، الشیخ ابن باز

(۳) الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ

"واختلف السلف الصالح في عدد الركعات في صلاة التراويح والوتر معها، فقيل: إحدى وأربعون ركعة، وقيل: تسع و ثلاثون، وقيل: تسع و عشرون، وقيل ثلاث و عشرون، وقيل: تسع عشرة، وقيل: ثلاث

عشـــرة، وقيـل: إحدى عشرة، وقيل: غير ذلک، وأرجح هذه الأقوال أنهـا إحـدى عشـرة أوثلاث عشرة لما فی الصحيحين عن عائشة رضی اللـه عنهـا...... وعـن ابـن عبـاس رضـی الـله عهنما قال: كانت صـلاة الـنبیﷺ ثـلاث عشـرة ركـعة، يعـنـی من الليل، رواه البخاری، وفی الموطأ عن السائب بن يزيد قال: أمر عمر بن الخطاب رضی الله عنه أبی بن كعب و تميما الداری رضی الله عنهما أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة" (مجالس شهر رمضان: ص ۱۹)

''سلف صالحین نے نماز تراویح مع نماز وتر کی رکعات میں اختلاف کیا ہے، بعض نے اکتالیس، بعض نے انتالیس، بعض نے انتیس، بعض نے تیئیس، بعض نے انیس، بعض نے تیرہ اور بعض نے گیارہ رکعات بیان کی ہیں اور بعض نے ان اقوال کے علاوہ دوسری تعداد بھی نقل کی ہے، لیکن ان سب اقوال میں سے سب سے زیادہ راجح گیارہ یا تیرہ رکعات والا قول ہے، کیونکہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں عائشہ نے گیارہ رکعات بیان کی ہیں، او ربخاری کی ایک اور روایت میں ابن عباس نے تیرہ رکعات ذکر کی ہیں، اور مؤطا امام مالک میں السائب بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم الداری دونوں کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا''

سعودی علماء کے مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) یہ علماء نماز تراویح کی رکعات کے مسئلے میں حضرت عائشہ والی حدیث پر اعتماد کرتے ہیں، اوراس میں مذکور گیارہ رکعات سے وہ نماز تراویح کی گیارہ رکعات ہی مراد لیتے ہیں۔

(۲) مسئلہ تراویح میں افضل یہ ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت شدہ تعداد رکعات پر عمل کیا جائے، اور وہ ہے: گیارہ رکعات مع الوتر

(۳) سعودی علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعات ہی پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

تنبیہ: الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے جو تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے دراصل ان میں دو رکعات وہ ہیں جنہیں آپ ﷺ نے ایک دومرتبہ وتر کے بعد پڑھا تھا، اور علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں وتر پڑھتے تھے اور اس کے بعد فجر کی اذان ہوجاتی تھی، تو شاید آپ ﷺ نے فجر کی دو سنتیں پڑھی تھیں، جنہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رات کی نماز میں شامل سمجھا، یا پھر آپ ﷺ نے وتر کے بعد یہ دو رکعات اس لئے پڑھی تھیں کہ وتر کے بعد بھی نفل نماز پڑھنے کا جواز باقی رہے۔ **والله أعلم!**

نام کتاب : اہلحدیث اور علماء حرمین کا اتفاقِ رائے

مؤلف : حافظ محمد اسحٰق زاہد، کویت

طبع اوّل : ستمبر ۲۰۰۰ء ، پریس...... شرکت پرنٹنگ پریس

آرٹ رکمپوزنگ حافظ حسن مدنی (محدّث کمپوزرز)

ناشر : مجلس التحقیق الاسلامی: ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن، لاہور

قیمت : ۴۵ روپے

ملنے کے پتے: ☆ نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اُردو بازار 7321865

☆ فاروقی کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

☆ مکتبہ دار السلام، ۵۰ لوئر مال، لاہور فون: 7232400

☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

☆ ماہنامہ محدث لاہور: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کویت میں ملنے کا پتہ

لجنة القارة الهندية ، الروضة ...... تلفون: ۲۵۳۱۲۱۶

فہرست